تذکرہ

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

جو حضرت شاہ محمد اسحاقؒ اور حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کے شاگرد، دہلی کالج کے فاضل، جلیل القدر عالم، مایۂ ناز محدث، بلند پایہ نامور مدرس، ممتاز مصنف، محقق، حاشیہ نگار، مترجم اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے ابتدائی بیس سال تک صدر مدرس اور روح رواں رہے۔

تالیف

نور الحسن راشد کاندھلوی

ناشر

(حضرت) مفتی الٰہی بخش اکیڈمی ۔ کاندھلہ

تذکرہ

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

[جو حضرت شاہ محمد اسحاقؒ اور حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کے شاگرد، دہلی کالج کے فاضل، جلیل القدر عالم، مایۂ ناز محدث بلند پایہ نامور مدرس، ممتاز مصنف، محقق، حاشیہ نگار، مترجم اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے ابتدائی بیس سال تک صدر مدرس اور روح رواں رہے]

تالیف

نور الحسن راشد کاندھلوی

ناشر

[حضرت] مفتی الٰہی بخش اکیڈمی۔ کاندھلہ
ضلع مظفر نگر۔ یوپی۔ ہند

(سلسلہ مطبوعات مفتی الٰہی بخش اکیڈمی)

نام کتاب: تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

نام مؤلف: نورالحسن راشد کاندھلوی

صفحات: ۱۹۲

مطبع:

سنہ طباعت: محرم الحرام ۱۴۲۸ھ/جنوری ۲۰۰۷ء

قیمت: ستر روپے/۷۰

ملنے کا پتہ

[حضرت] مفتی الٰہی بخش اکیڈمی۔ کاندھلہ

ضلع مظفر نگر۔ یوپی۔ ہند

پن کوڈ: ۲۴۷۷۷۵

فون: 01392-222913



انتساب

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

کے عزیز ترین شاگرد، کمال تربیت اور فضل و کمال میں نمائندہ و قائم مقام

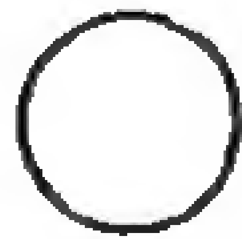
حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی مہاجر مدنیؒ

کے

نور عین اور فرزند معنوی، علم و فضل اور ارشاد و تربیت کے وارث و جانشین

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ

کی روح مبارک اور خدمات جلیلہ کے نام



ایک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے

فہرست مضامین

تمہید

ازمؤلف

جمادی الاخریٰ سنہ ۱۴۲۶ھ کے دوسرے ہفتہ میں ایک اڑتی سی خبر سنی کہ شوال یا ذی قعدہ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں، ایک بڑے دینی جلسہ کا انعقاد متوقع ہے، اور اس موقع پر ارباب مدرسہ مدرسہ کے ماہانہ رسالہ کا ایک ضخیم خاص شمارہ، مظاہر علوم سہارنپور کی خدمات اور اس کے اکابر علماء کے حالات پر شائع کرنے کا ارادہ کرر ہے ہیں، جس کے متوقع مضمون نگاروں میں راقم سطور نور الحسن راشد کاندھلوی کا نام بھی شامل ہے۔ دو تین ہفتوں کے بعد اس اطلاع کی تصدیق ہوئی، اور رسالہ کے مدیر صاحب کی جانب سے اس خاص شمارہ کے لئے ایک مضمون کی فرمائش موصول ہوئی۔ مضمون کے لئے ذہن میں کئی عنوانات آئے اور گئے، آخر میں یہ طے کیا کہ مظاہر علوم کے سب سے پہلے صدر مدرس اور روح رواں حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی، اپنے دور کی ایک بڑی علمی شخصیت تھے، مگر حضرت مولانا کی تصنیفی تحقیقی علمی خدمات کا آج تک کہیں تذکرہ نہیں آیا، اس لئے حضرت مولانا کی تصانیف اور علمی آثار پر کچھ پیش کرنا چاہئے۔ اس مقصد سے ایک مضمون لکھنا شروع کیا یہ مضمون مکمل ہوا تو خیال آیا کہ حضرت مولانا کے معلوم احوال وسوانح بھی مرتب کردیئے جائیں، زیرنظر صفحات اسی خیال کی عملی صورت ہیں۔ حضرت مولانا کی تصانیف پر جس مضمون کا ذکر آیا ہے اس کو بعض اضافات کے ساتھ اسی تالیف کا ایک باب بنادیا ہے۔

اس مختصر تذکرہ کے متعلق یہ کہنا تو صحیح نہ ہوگا کہ اس میں حضرت مولانا کی سیرت وسوانح، کمالات علمیہ اور تصانیف وخدمات کی مکمل تصویر آ گئی ہے مگر یہ امید ضرور ہے کہ انشاء اللہ اس میں حضرت مولانا کی زندگی اور احوال وافکار کی ایک جھلک ضرور مل جائے گی، تصانیف اور علمی خدمات کے متعلق بھی کسی قدر معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ حضرت مولانا محمد مظہر کے متعلق مؤلف کی معلومات ودسترس میں جو کچھ تھا وہ اس نے ان صفحات میں پیش کر دیا ہے، امید ہے کہ مظاہر علوم کے وابستگان علم وتربیت اور دوسرے اہل علم وفضل بھی اس پر توجہ کر کے اس سلسلہ کو آگے بڑھانے اور بہتر طور پر مکمل کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔

حضرت مولانا محمد مظہر کا ذکر ہو اور مدرسہ کے اس وقت کے اکابر اور علمائے کرام کو یاد نہ کیا جائے ممکن ہی نہیں۔ اس لئے اس تذکرہ کی تحریر کے ساتھ ہی بانی مدرسہ حضرت مولانا سعادت علی سہارنپوریؒ، مدرسہ کی ممتاز ترین اور بلاشبہ لائق فخر شخصیت حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نیز مدرسہ کے سب سے پہلے مدرس مولانا سخاوت علی انبیٹھوی، مدرسہ کے نائب صدر مدرس، مولانا احمد حسن پنجابی ثم کانپوری اور مدرسہ کے ایک بڑے معاون اور بعد میں سرپرست اور مہتمم، ہندوستان کے معروف فاضل اور ادیب، مولانا فیض الحسن سہارنپوری وغیرہ پر بھی توجہ رہی، اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے ان حضرات کے احوال پر بھی متعدد مفصل ومختصر مضامین مرتب ہو گئے، جن میں ایسی اطلاعات ومعلومات کو اولیت دی گئی ہے جن کا ہماری کتابوں اور تحریرات میں عموماً تذکرہ نہیں آتا۔ نیز ان حضرات کے جو علمی آثار، تصانیف مؤلفات تحریرات وفتاویٰ اس کوتاہ نظر کی نظر میں ہیں، ان میں جو اہم ترین تھے، ان کے متون اور عکس اس میں شامل کئے ہیں اور اکثر کا تعارف علیحدہ مرتب ہو گیا ہے اس طرح بھی یہ ایک خاصا مفید مجموعہ مرتب ہو گیا ہے، اس کے بھی اکثر حصہ کی کتابت (کمپوزنگ) ہو چکی ہے جو بعض اور

مشمولات کے ساتھ ان شاء اللہ بڑے سائز کے تقریباً چھ سو سے زائد صفحات میں مکمل ہوگا، یہ ایک مستقل کتاب یا تالیف ہے جو جلد ہی شائع ہوگی اور مظاہر کے اکابر کے تعارف اور مدرسہ کی خدمت کی معلومات پر اضافہ کرے گی ان شاء اللہ تعالیٰ!

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اس کے ذریعہ سے ان حضرات کے احوال وخدمات کی مزید جستجو کا شوق تازہ ہو اور ان حضرات کے دینی علمی اسوہ پر عمل کی توفیق عطا ہو۔ **وما توفیقی الا باللہ.**

نورالحسن راشد

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

مولویان۔کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی

تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

باب اول

احوال

[ولادت وطفولیت، تعلیم، ملازمتیں، تحریک ۱۸۵۷ء میں شرکت، مظاہر علوم سے وابستگی، حج کے سفر، وفات۔]

نانوتہ ضلع سہارنپور کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو دسویں گیارہویں صدی ہجری میں بہت پررونق اور آباد وشاداب تھا بعد میں نواب جلال خاں (بانی قصبہ جلال آباد ضلع مظفرنگر، یوپی) اور سکھوں کے مذہبی پیشوا، گروگوبند سنگھ کے درمیان ایک شدید جنگ میں تباہ وبرباد ہوگیا تھا، (۱) اس وقت سے پچیس تیس سال پہلے تک نیم ویران سا رہا، اب ترقی پذیر ہے۔ اس اطراف ونواح میں، بلکہ خود اس بستی کے اہل علم وقلم کی کتابوں تحریرات میں بھی چھوٹے شہر کے نام سے درج کیا جاتا تھا۔ اس علاقہ کے متاخر دور کے ایک بڑے عالم، مولانا رحمت اللہ کیرانوی (مصنف اظہار الحق وبانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ) نے بھی، اپنی ایک تحریر میں یہاں کی علمی بستیوں کا ذکر کرتے ہوئے، نانوتہ کو چھوٹا شہر لکھا ہے:

(۱) اس جنگ کی روداد، تاریخ جلال آباد، موسومہ: واقعات جلال خاں تالیف: محمد علی بن روشن خاں، قلمی میں درج ہے۔ (فوٹو نسخہ منقول از نسخہ مولف) ص: ۱۲-۱۳۔

''بعض جگہ بعض چیزوں میں مشہور ہیں، جیسے میری بستی کیرانہ اور نانوتہ جس کے رہنے والے مولوی قاسم اور مولوی یعقوب وغیرہم تھے، نحوست میں مشہور ہے، کہ عوام صبح کو ان کا نام بھی نہیں لیتے ہیں۔ کیرانہ کو بیریوں والا شہر اور نانوتہ کو چھوٹا شہر کہتے ہیں'' ۔(۱)۔

خاندان ونسب نانوتہ میں سادات وشیوخ کے متعدد خاندان آباد ہیں (۲) جس میں ایک ممتاز خاندان وہ ہے جس کو آخری دور میں حضرت مولانا مملوک العلی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مولانا محمد یعقوب، مولانا محمد احسن کی وجہ سے بہت شہرت وعزت حاصل ہوئی، اسی خانوادہ اور سلسلہ کے ایک لعل شب چراغ مولانا محمد مظہر نانوتوی بھی تھے۔ ان سب کا سلسلۂ نسب جو شیخ ابوالفتح پر مل جاتا ہے، اس طرح ہے:

''مولانا محمد مظہر بن حافظ لطف علی، بن محمد حسن بن حکیم غلام بن حکیم عبداللہ، بن شیخ ابوالفتح، بن شیخ محمد مفتی، بن شیخ عبدالسمیع، بن مولوی محمد ہاشم''۔

حضرت مولانا مملوک العلی، حضرت مولانا محمد قاسمؒ بھی اسی خاندان کے برگ وثمر ہیں۔

حافظ شیخ لطف علی کے تین فرزند تھے، مولانا محمد مظہر، مولانا محمد احسن اور مولانا محمد منیر، تینوں مصنف، مؤلف، مترجم، محقق، اعلیٰ درجے کے استاد، اور ایسے عالم فاضل تھے کہ اب تک ان کی فضیلت علمی کا سکہ رواں اور ان کے علوم ومصنفات کی آب وتاب باقی بلکہ روز افزوں ہے۔ شیخ لطف علی متعلق معلومات مفقود ہیں، مولانا محمد طاہر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ لطف علی مولانا محمد مظہر کی لکھنؤ میں ملازمت کے زمانہ تک حیات تھے۔

(۱) تحریر، بر تقدیس الوکیل: (مطبوعہ لاہور:)

(۲) خاندان کے ہندوستان آمد، خاندان کے اجداد نانوتہ کو وطن بنانے کی وجہ، متعلقہ معلومات وتفصیلات، نیز نانوتہ کے قدیم بزرگوں اور اولیاء اللہ کے حالات وتعارف کے لئے ملاحظہ ہو: راقم سطور کی تالیف تذکرہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی۔

شیخ لطف علی کے سب سے بڑے بیٹے مولانا محمد مظہر تھے، دوسرے مولانا محمد احسن، (۱) تیسرے اور آخری مولانا محمد منیر تھے۔

ولادت اور نام حضرت مولانا کا نام محمد مظہر، تاریخی نام ہے، جس سے سنہ ولادت ۱۲۳۷ھ (۲۲-۱۸۲۱ء) معلوم ہو جاتا ہے۔ تذکرہ مولانا محمد احسن تالیف محمد ایوب قادری میں مولانا کی تاریخ وفات کا دو جگہ ذکر آیا ہے ص: ۲۲ اور ص: ۱۵۴ پر، اول الذکر اطلاع صحیح ہے ص: ۱۵۴ پر درج سنہ ولادت صحیح نہیں۔

تعلیم اپنے والد حافظ شیخ لطف علی سے قرآن شریف پڑھا، قرین قیاس ہے ابتدائی تعلیم وطن میں یا اطراف کے کسی عالم کی خدمت میں حاصل کی ہوگی، مگر اس کی تفصیل معلوم نہیں۔ دہلی کالج کے قائم ہونے کے دس گیارہ سال بعد، جب مولانا محمد مظہر کی عمر تقریباً بارہ تیرہ سال ہوگی، متوسطات کی تعلیم کے لئے دہلی گئے ہوں گے۔ حضرت مولانا مملوک العلی جو خاندان کے فرد تھے، دہلی کالج کے قائم مقام صدر مدرس، دہلی کے نامور استاد اور مجمع علماء تھے، مولانا کے مکان پر کوچہ چیلان میں قیام ہوا، بہ ظاہر اسی وقت دہلی کالج میں بھی داخلہ ہو گیا تھا، یہ واقعہ تقریباً سنہ ۵۱-۱۲۵۰ھ (۱۸۳۵ء) کا ہوگا۔ مولانا مملوک العلی سے دہلی کالج میں اور گھر پر دونوں جگہ ہر وقت پڑھتے رہے، مولانا سے پڑھی کتابوں کی تفصیل مفقود ہے، لیکن ضمنی اطلاعات سے عیاں ہے کہ مولانا نے متوسطات سے مختلف علوم کی اعلی کتابوں تک، تقریباً سب کتابیں مولانا مملوک العلی سے پڑھیں۔

(۱) مولانا محمد احسن کی دینی علمی خدمات پر، ڈاکٹر محمد ایوب قادری کی مفصل اور تحقیقی تالیف ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' کراچی سے سنہ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی تھی، یہ کتاب دو سواسی صفحات پر مشتمل ہے اور علمائے نانوتہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے عمدہ یادگار ہے۔

مولانا قاری عبدالرحمان سے رفاقت درس اور ایک یادگار امتحان

مولانا مملوک العلی سے زمانۂ تدریس میں خصوصاً مختصر معانی میں، مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی مولانا محمد مظہر کے رفیق ہم درس تھے، جس وقت یہ دونوں صاحبان حضرت مولانا مملوک العلی سے دہلی کالج میں پڑھ رہے تھے، محکمہ تعلیم کا ایک بڑا افسر دہلی آیا، مولانا مفتی صدرالدین آزردہ کی مولانا مملوک العلی سے چھیڑ چھاڑ چلتی رہتی تھی، مفتی صاحب کی تحریک پر اس افسر نے مولانا مملوک العلی کو اطلاع بھیجی کہ آپ کے طلباء کا مفتی صاحب میرے سامنے امتحان لیں گے۔ مقصد یہ تھا کہ مفتی صاحب سخت امتحان لیں، مولانا کے شاگردوں اور خود مولانا مملوک العلی کی سبکی ہو۔ چنانچہ امتحان ہوا، یہ افسر بھی موجود تھے، مفتی آزردہ بھی تشریف فرما ہوئے، لیکن نتیجہ مفتی صاحب کی امید کے خلاف نکلا، مولانا کے شاگرد ایسے باکمال نکلے کہ ممتحن کو ان کی فضیلت اور لیاقت علمی کا اعتراف کرنا پڑا۔

تفصیل مولانا قاری عبدالرحمان صاحب کے الفاظ میں پڑھیے، فرماتے ہیں:

> ''سررشتۂ تعلیم کا کوئی بڑا افسر ایک مرتبہ دہلی میں آیا، جناب مفتی صدرالدین صاحب کو مولانا مملوک العلی سے معاصرانہ چشمک تھی، ان کی اندرونی تحریک سے افسر مذکور نے مولانا کو اطلاع بھیجی کہ مدرسہ کا امتحان مفتی صاحب میرے سامنے لیں گے۔ صاحب سوانح فرماتے ہیں کہ مولانا نے مجھے بلایا اور فرمایا: ''حافظ جیو امتحان دینا پڑے گا'' مولوی محمد مظہر صاحب سہارنپوری اور مولوی وجیہ اللہ صاحب اور میں تینوں ہم درس تھے، میں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ ''میری تعلیم خارج از مدرسہ ہوئی ہے'' فرمایا: ''ہم نے پڑھایا ہے تم اس پڑھائی میں امتحان دو'' عرض کیا: ''کونسی کتاب میں سے امتحان لیا جائے گا؟ ارشاد ہوا کہ ''مجھے کیا پتہ کونسی کتاب ہوگی''۔

میاں محمد مظہر نے مجھے بتایا کہ: "یہ تو مفتی صاحب ہمارے مولانا نے چھیڑ کر رہے ہیں، ذرا ہوشیار ہو کر امتحان دینا چاہئے" چنانچہ باہمی مشورہ سے، ہم تینوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ امتحان ہونے دو، انشاءاللہ دیکھا جائے گا۔

خیر مفتی صاحب تشریف لائے، اور معقول کی کتاب میں سے ایک مقام پڑھلوایا، ہمارے ساتھی نے دانستہ عبارت غلط پڑھی، مفتی صاحب نے فرمایا کہ: "سنبھل کر پڑھو" اس نے دوبارہ وہی غلطی کی، پھر مفتی صاحب نے یکے بعد دیگرے دوسروں سے وہی عبارت پڑھوائی، انہوں نے بھی اسی طرح پڑھا، اب مفتی صاحب نے ترجمہ و مطلب بتانے کو کہا، ہم نے جیسی عبارت پڑھی تھی ویسا ہی مطلب بیان کیا۔ مفتی صاحب نے فرمایا "کیا یہ مطلب اسی طرح ہے؟" ہم سب نے بیک زبان عرض کیا "جی ہاں! اگر غلط ہو تو جناب اعتراض فرمائیں"۔ اس پر مفتی صاحب نے مولانا کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "مولانا! یہ جماعت طالب علموں کی ہے، یا فاضلوں کی"؟

میں نے مولانا کی طرف نظر اٹھائی تو وہ مسکرا رہے تھے، مفتی صاحب کے استفسار پر مولانا نے جواب دیا "مفتی صاحب! میرے طالب علم تو ایسے ہی ہوا کرتے ہیں، آپ اعتراض کریں یہ جواب دیں گے" مگر اس کے بعد مفتی صاحب نے افسر تعلیم سے فرمایا "کہ جب ان طالب علموں کا یہ حال آپ نے دیکھا تو اب مزید امتحان کی ضرورت نہیں رہی، نہایت عمدہ تعلیم ہے، یقین ہے کہ تمام طالب ایسے ہی نکلیں گے" (۱)

(۱) تذکرہ رحمانیہ (سوانح قاری عبدالرحمان پانی پتی) تالیف: مولانا عبدالحلیم انصاری پانی پتی ص: ۳۷/۳۹۔ عکس طبع اول، پانی پت۔ (لاہور: ۱۴۰۰ھ)

زمانہ طالب علمی میں مولانا کی ذہانت کا اعتراف سرسید احمد ان لوگوں میں تھے، جو مولانا محمد مظہر کو دہلی میں تعلیم کے زمانہ سے جانتے تھے، مولانا کی سرسید کے سامنے وفات ہوئی۔ سرسید احمد نے مولانا پر اپنی تعزیتی تحریر میں زمانہ طالب علمی میں مولانا کی ذہانت کے چرچے کا ذکر کیا ہے، تحریر ہے:

''مولوی صاحب ممدوح بہت بڑے عالم تھے، جس زمانہ میں دہلی میں طالب علم تھے، اسی زمانہ میں ان کی ذہانت مشہور تھی، تقویٰ میں بھی نہایت اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔''(۱)

مولانا مفتی صدر الدین آزردہ سے تلمذ؟ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے مولانا کے جو حالات تحریر فرمائے ہیں اس میں مولانا مفتی صدر الدین آزردہ کو بھی مولانا کے استادوں میں ذکر کیا ہے، لکھا ہے:

''مولانا الشیخ صدر الدین، صدر الصدور، فی الدهلی''(۲)

لیکن اوجز سے نہ ہی کسی اور ذریعہ سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ، مولانا محمد مظہر نے مفتی صاحب سے کیا پڑھا تھا، کن علوم کی کون کونسی کتابیں، کس وقت پڑھیں، اور مفتی صاحب سے کب سے کب تک استفادہ کی سعادت نصیب رہی۔

مولانا شاہ عبدالغنی کی خدمت میں اس وقت اس نواح کے علماء کا معمول تھا کہ وہ حدیث شریف پڑھنے کے لئے خاندان حضرت شاہ ولی اللہ کے کسی بڑے عالم، یا

(۱) انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔ علی گڈھ۔ شمارہ، ۳/اکتوبر سنہ ۱۸۸۵ء۔ مشمولہ۔ سرسید کی تعزیتی تحریریں، مرتبہ: اصغر عباس ص:۲۲/ (علی گڈھ:۱۹۸۹)

(۲) اوجز المسالک الی موطا امام مالک، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی۔ ص:۴۳ (مقدمہ) طبع اول، جلد اول سہارنپور

ان کے کسی قریبی اور معتمد شاگرد کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، مولانا محمد مظہر صاحب نے بھی اس معمول کی پاسداری فرمائی۔ مولانا نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اپنے اعزہ اور رفقاء کی طرح، حضرت مولانا کی خدمت میں رہ کر حدیث شریف پڑھی، مگر حضرت شاہ سے تلمذ کی تفصیلات مفقود ہیں، تاہم حضرت شاہ عبدالغنی نے حضرت مولانا محمد قاسم کو جو سند و اجازت عطا فرمائی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے یہاں درس میں مولانا محمد مظہر، موطا امام مالک کے اسباق میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے رفیق تھے، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"ومؤطا مالک بن انس، سمع بعضه بقرأة ابن اخي المولوی مظهر"(۱)

حضرت شاہ محمد اسحاق سے تلمذ اور اجازت حدیث

مولانا نے اگرچہ حدیث شریف کی چند کتابیں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سے پڑھی تھیں، لیکن مولانا کا اصل تلمذ حضرت شاہ محمد اسحاق سے تھا۔ خصوصاً مولانا کی بخاری شریف کی سند و اجازت حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے واسطے سے ہے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے بذل المجہود کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے:

وقدروی حضرت مولانا محمدمظهر، صحیح البخاری عن الشهیرفی الآفاق، مولانامحمداسحاق. (۲)

نیز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا لکھتے ہیں:

(۱) اس اصل سند کا فوٹو، سوانح قاسمی۔ تالیف مولانا مناظر احسن گیلانی میں شامل ہے، ملاحظہ ہو۔ مابین صفحہ ۲۶۰...۲۶۱۔ جلد اول (دیوبند ۱۳۷۳ھ)

(۲) تمہید بذل المجہود ص:۳۔ جلد ۱ عکس طبع اول/ سہارنپور (مع تصحیح و حواشی جدید)

"وقد قرأ بعض كتب الحديث على المحدث الاكبر، الشيخ الاجل، الشهير في الآفاق مولانا محمدشاه اسحاق .....(۱)

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی صراحت بھی ملاحظہ ہو، تحریر ہے:

"مظہرِ علوم حضرت مولانا محمد مظہر نے، بخاری شریف حضرت اقدس مولانا شاہ اسحاق صاحب مہاجر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھی ہے، اور شاہ صاحب اعلیٰ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے مشہور شاگرد ہیں" (۲)

یہ واضح ہے کہ حضرت مولانا کا حضرت شاہ صاحب سے تلمذ شاہ صاحب کے ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں ہوا ہے، کیوں کہ جب شاہ صاحب سفرِ ہجرت پر گئے اس وقت مولانا بنارس میں مدرس تھے، اور جب مولانا مظہر اپنے پہلے سفرِ حج کے موقع پر مکہ معظمہ حاضر ہوئے اس وقت حضرت شاہ صاحب کی وفات ہو چکی تھی۔

اسی اطلاع سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مولانا رحمہ اللہ، حضرت شاہ صاحب سے تلمذ اور اجازت حدیث میں، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے مقدم اور فائق تھے۔

مولانا رشید الدین خاں دہلوی سے تلمذ کی روایات پر ایک نظر

حضرت شیخ الحدیث نے مقدمہ اوجز میں، مولانا کے استادوں میں مولانا رشید الدین خاں کشمیری دہلوی کا نام بھی شامل کیا ہے، لکھا ہے:

(۱) اوجز المسالک (مقدمہ) ص: ۴۳۔ جلد ا۔

(۲) تذکرۃ الخلیل (سوانح حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی) تالیف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: ص: ۴۳۔ (مکتبۃ الشیخ: کراچی، مطابق طبع اول)

"اخذ العلوم من الشیخ الاجل استاد المشائخ الکرام مولانا مملوک العلی النانوتوی، ومولانا الشیخ صدر الدین صدر الصدور فی الدھلی، ومولانا الشیخ رشید الدین الدھلوی."(۱)

غالباً اوجز سے نقل ہوکر ہی یہ اطلاع نزہۃ الخواطر میں درج ہوئی،(۱) دوسری کتابوں اور مآخذ میں بھی اس کا ذکر ہے، مگر یہ اطلاع وروایات صحیح نہیں۔ مولانا مظہر کا مولانا رشید الدین خاں سے تلمذ اور اجازت تقریباً ناممکن ہے، یہ بھی متوقع نہیں کہ مولانا محمد مظہر صاحب نے مولانا رشید الدین کو دیکھا ہو، اور یہ بات ایسی واضح ہے کہ اس کے لئے کسی باریکی اور گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں۔

مولانا محمد مظہر سنہ ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوئے تھے اور مولانا رشید الدین خاں کی شروع محرم الحرام ۱۲۴۳ھ (جولائی ۱۸۲۷ء) میں وفات ہوگئی تھی، اس وقت مولانا محمد مظہر کی عمر چھے ساڑھے چھے سال ہوگی، اس عمر میں تعلیم کے لئے دہلی کا سفر تقریباً ناممکن تھا، اور اگر یہ سفر ہوا بھی ہو، تو اس وقت مولانا مظہر قرآن شریف اور اگر غیر متوقع طور پر فرض کیا جائے تو فارسی کی بالکل ابتدائی کتابیں پڑھتے ہوں گے، اور مولانا رشید الدین خاں سے جو تلمذ ذکر کیا جاتا ہے، وہ گویا اعلیٰ کتابوں اور سند واجازت کا تلمذ ہے، جو ظاہر ہے کہ ممکن ہی نہیں، اس لئے یہ اطلاع صحیح نہیں۔

غالباً یہ غلط فہمی، مولانا رشید الدین خاں کے سنہ وفات کی ایک بے اصل روایت پر اعتماد کی وجہ سے ہوئی، چند تذکرہ نگاروں نے مولانا کا سنہ وفات ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۳-۳۴ء)

---

(۱) اوجز المسالک (مقدمہ) ص: ۴۳ جلد اول۔

(۲) نزہۃ الخواطر، مولانا عبدالحی۔ ص: ۴۵۵۔ جلد ۸/ (حیدرآباد: ۱۴۰۲ھ)

لکھ دیا ہے جس کی وجہ سے یہ خیال کرلیا گیا کہ جب مولانا رشید الدین خاں ۱۲۴۹ھ تک حیات تھے تو مولانا محمد مظہر کو مولانا سے یقیناً تلمذ ہوا ہوگا۔ اگر مولانا کے سنہ وفات کی یہ روایت کسی درجہ میں بھی لائق اعتماد ہوتی تو مولانا محمد مظہر کے مولانا سے تلمذ کی بات قابل قبول ہوسکتی تھی، مگر مولانا کی محرم ۱۲۴۳ھ میں وفات کی اطلاع مولانا فضل حق خیرآبادی کے ایک خط میں درج ہے، جو مولانا خیرآبادی کے قلم سے محفوظ ہے، اس خط کی تاریخ تحریر بھی ۷/محرم ۱۲۴۳ھ مصرح ہے،(۱) دیگر قرائن اور اندرونی اطلاعات سے بھی اس خط کے اسی وقت لکھے ہوئے ہونے کی تصدیق ہورہی ہے، اس لئے بلا کسی شک وشبہ کے مولانا رشید الدین کا سنہ وفات ۱۲۴۳ھ ہی صحیح ہے، اسی لئے ان سے مولانا محمد مظہر کے تلمذ کی بات درست نہیں۔

سلسلہ ملازمت دہلی کے انگریز افسران جو دہلی کالج سے بھی وابستہ تھے، ان کی کالج کی کارکردگی پر نظر رہتی تھی، وہ دہلی کالج کے ایسے طالب علموں سے فائدہ اٹھانے کی خاص کوشش کرتے تھے، جو اپنی جماعت یا کسی خاص مضمون میں کالج میں ممتاز ہوں، یہ افسران یہ چاہتے بھی تھے کہ ان نوجوان ونوعمر فاضلوں کو، گورنمنٹ کے (ملک بھر میں بکھرے ہوئے) اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں پڑھانے کے لئے فوراً منتخب کرلیا جائے۔ مولانا محمد مظہر بھی کالج کے طلبہ کی اس فہرست میں شامل اور کالج کے نہایت عمدہ طالب علموں میں ممتاز تھے، مولانا جیسے ہی دلی کالج کی تعلیم سے فارغ ہوئے، ان کا اسی اصول کے مطابق اپنی عمدہ لیاقت کی وجہ سے، بنارس کے سرکاری کالج میں شعبۂ عربی کی صدارت ومدرسی کے لئے تقرر ہوگیا۔

(۱) مولانا فضل حق کی یہ اصل بیاض محفوظ ہے اس کا مکمل عکس میرے پاس ہے۔

بنارس کالج میں تقرر کی تاریخ نہیں ملی، لیکن مولانا محمد مظہر کے دلی کالج کے پرنسپل اسپرنگر (۱) کے نام ایک خط سے جو مولانا نے پہلے سفر حج سے واپسی کے دوران اسپرنگر کو لکھا تھا، یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کا سنہ ۱۸۴۳ء کے آخری ایام (غالباً دسمبر، شوال ذی قعدہ ۱۲۵۹ھ) میں بنارس کالج کی ملازمت پر تقرر ہوا تھا، مولانا کے ایک خط سے یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ بیاسی روپے ماہوار تنخواہ تھی، مولانا اس منصب پر چار سال تک نیک نامی اور یکسوئی سے خدمت انجام دیتے رہے۔

ملازمت کے چوتھے سال مولانا کو سفر حج کا شوق غالب ہوا، سفر کے لئے دو سال کی رخصت کی درخواست دی، جو (اس وقت کے سرکاری کالجوں کے ضابطہ کے مطابق) اس شرط سے ساتھ منظور ہوئی کہ رخصت کے پہلے چھ مہینوں کی آدھی تنخواہ دی جائے گی، (بیالیس روپے ماہانہ) چھ مہینوں کے بعد یہ آدھی تنخواہ بھی ختم کردی جائے گی، ڈیڑھ سال کی رخصت بلا تنخواہ ہوگی۔ کالج کی انتظامیہ کی طرف سے یہ بھی واضح کردیا گیا تھا کہ، یہ متوقع نہیں کہ مولانا کو اس رخصت یا سفر حج سے واپسی کے بعد، کالج میں موجودہ منصب وعہدہ پر رکھ لیا جائے، موجودہ مقررہ منصب بلکہ ملازمت دی جائے۔

(۱) اسپرنگر (ALOIS, SPRENGER) مشہور مستشرق ہے، متعدد اہم اسلامی علمی کتابوں خصوصا الاصابہ حافظ ابن حجرؒ اور کشاف اصطلاحات الفنون، قاضی محمد اعلی کی طباعت کا ذمہ دار بھی تھا، جرمن نژاد شخص تھا، جو سنہ ۱۸۴۴ سے سنہ ۱۸۴۸ تک دہلی کالج کا پرنسپل رہا، مولانا مملوک العلی نیز دہلی کالج کے اساتذہ اور طلبہ کا اس سے قریبی رابطہ اس کے منصب کی وجہ سے ضروری تھا۔ اس کے علاوہ دہلی اور اطراف دہلی کے بہت سے اہل علم اور اصحاب اہل کمال سے بھی اس کے مراسم تھے اور خط وکتابت رہتی تھی۔ یہ خطوط محفوظ ہیں جو سنہ ۸۶-۱۹۸۵ میں پاکستان کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی نے مفصل حاشیہ کے ساتھ مجلہ اردو (کراچی، پاکستان) میں قسط وار شائع ہو چکے ہیں۔ آئندہ صفحات میں اس کتاب یا مجموعہ مکتوبات کا حوالہ ایک نادر مجموعہ مکاتیب کے عنوان سے آتا رہے گا۔

یہ دونوں شرطیں خصوصاً دوسری شرط بہت سخت اور نہایت صبر آزما تھی، مگر مولانا مظہر پر حرمین شریفین کی حاضری کی تمنا اس قدر غالب تھی کہ مولانا نے اس بڑی سعادت کے حاصل کرنے کے لئے اس قربانی کو لائق توجہ نہیں سمجھا، ان شرائط کے ساتھ رخصت منظور کرالی۔ کالج کے اس ضابطہ کے تحت مولانا محمد مظہر کی رخصت کی منظوری کا، مولانا کے ایک ہم سبق (اور دہلی کے کالج کے ایک سابق طالب علم) نے اسپرنگر کے نام ایک خط میں ضمناً تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"سابق میں مولوی محمد مظہر کی رخصت دو سال کی ملی تھی، بایں شرط کہ چھ مہینہ نصف تنخواہ دی جائے گی، اور من بعد عوض خدمت کو عہدہ دینے نہ دینے کا اختیار ہے"۔

مکتوب محررہ ۳؍فروری ۱۸۵۱ء (یکم ربیع الثانی ۱۲۶۷ھ) (۱)

اس وقت کالجوں میں چار سال تک ملازمت پر رہنے والے مدرسین کو یہ سہولت دی جاتی تھی کہ، وہ لمبی رخصت پر جاتے وقت اپنے کسی آدمی کو اپنی موجودہ ملازمت پر مقرر کرا سکتے تھے، مولانا محمد مظہر نے بھی اس سہولت سے فائدہ اٹھایا، کالج میں اپنے عہدے پر اپنے چھوٹے بھائی، مولانا محمد احسن نانوتوی کو مقرر کرا دیا، اور سفر حج و زیارت کے لئے روانہ ہو گئے۔

(۱) ایک نادر مجموعہ مکاتیب (مکتوبات مشاہیر ہند و اساتذہ و طلبائے دہلی کالج، بنام اسپرنگر، پرنسپل دہلی کالج) ص: ۳۲۶ یہ تمام خطوط اسپرنگر کے ذاتی ذخیرہ کاغذات میں برلن جرمنی میں محفوظ تھے، پاکستان کے مشہور محقق جناب محمد اکرام چغتائی صاحب نے ان کو مفصل اور محققانہ حواشی کے ساتھ مرتب کر کے شائع کرا دیا ہے۔
چغتائی صاحب کا مرتبہ یہ مجموعہ سات قسطوں میں سہ ماہی اردو کراچی میں سنہ ۸۵۔۱۹۸۶ء میں پہلی مرتبہ چھپا تھا دوسرا اکمل اور تصحیح شدہ نسخہ پریس میں ہے، پہلی طباعت کی چھ قسطیں میرے سامنے ہیں۔

اس سفر کی تفصیلات، کا سراغ نہیں ملا، صرف یہ معلوم ہے کہ مولانا سنہ ۱۸۴۷ء کے اواخر (شوال ذی قعدہ سنہ ۱۲۶۳ھ) میں اس سفر کے لئے روانہ ہوئے، دو سال میں واپسی کا خیال تھا مگر اس سفر میں اندازے سے زیادہ وقت لگا، مولانا دو سال کی چھٹی لیکر گئے تھے، اس کے اختتام یعنی دسمبر ۱۸۴۹ء تک واپسی ممکن نہ ہوئی، سفر میں تقریباً تین سال لگے، بارش وغیرہ کی وجہ سے واپسی کے سفر میں دیر ہوئی، اور ہندوستان پہونچ کر بھی مسافت طے کرنے میں خاصا وقت لگا، مولانا محمد مظہر کے سفر حج کی اطلاع دیتے ہوئے مولانا مملوک العلی نے، اسپرنگر کو لکھا تھا:

''خط مولوی (محمد مظہر) صاحب موصوف کا لکھا ہوا ۲۶ ر شوال کا آیا تھا، لکھا تھا بسبب کثرت بارش کے چلنا قافلہ کا نہیں ہوسکتا، شاید ۱۵ ر ذی قعدہ تک چلنا ہو، اغلب ہے کہ اب وہ قافلہ چل گیا ہوگا''۔

مکتوب مورخہ ۱۱ ر ذی قعدہ ۱۲۶۴ھ (۹ ر اکتوبر ۱۸۴۸ء) (۱)

یہ تو دریافت نہیں کہ مولانا کا کس قدر وقت آنے جانے میں خرچ ہوا، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کس قدر قیام رہا، اور اس دوران وہاں کیا مصروفیات رہیں، تاہم قرین قیاس ہے کہ اس لمبے قیام میں مولانا نے حرمین شریفین کے اساتذہ اور محدثین کرام سے بھی استفادہ کیا ہوگا، مگر افسوس کہ اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملا۔ بہرحال مولانا اس سفر سے تقریباً تین سال کے بعد، غالباً ذی الحجہ ۱۲۶۵ھ (اکتوبر ۱۸۵۰ء) سے کچھ پہلے دہلی واپس آئے، اور یہ مبارک سفر اختتام کو پہنچا۔

(۱) ایک نادر مجموعہ مکاتیب ص: ۵۸، چغتائی صاحب نے اس خط کا سنہ تحریر سنہ ۱۸۴۸ء لکھا ہے، جو صحیح معلوم نہیں ہوتا مولانا محمد مظہر کے مکتوب بنام اسپرنگر (ایک نادر مجموعہ مکاتیب ص: ۱۱۸) سے واضح ہے کہ مولانا اواخر سنہ ۱۸۴۷ء میں ہندوستان سے گئے اور تین سال بعد واپس ہوئے، مولانا مملوک العلی کا درج بالا خط میں بہ ظاہر اس کا ذکر ہے اور واپسی کا یہ سفر بالاشبہ ۱۸۵۰ء میں ہوا ہے، لہٰذا صحیح سنہ ۱۲۶۵ھ ہونا چاہئے۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر امین کی ملازمت کے لئے کوشش

مولانا محمد مظہر کو سفر حج سے واپسی پر، بمبئی پہونچتے ہی یہ اطلاع ملی کہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر امین مولانا محمد احمد کبیر کا انتقال ہو گیا ہے، ان کی جگہ کے لئے نئے آدمی کی ضرورت اور تلاش ہے۔ مولانا محمد مظہر بنارس کالج سے دو سال کی رخصت لیکر گئے تھے، اس وقت بھی واپسی پر پہلی ملازمت باقی رہنے اور بنارس کالج میں نئی جگہ ملنے کی ضمانت نہیں تھی، اب تو مولانا مقررہ وقت سے تقریباً ایک سال زیادہ ہو گیا تھا، منظور رخصت کا وقت ختم ہوئے بہت عرصہ گذر گیا تھا، اس لئے یہ خیال ہی بے محل تھا کہ مولانا کو بنارس کالج کے شعبہ عربی میں دوبارہ اپنی پرانی جگہ، یا کوئی اور ملازمت مل جائے گی۔ مولانا نے یہ بھی غالباً بے مروتی سمجھی ہوگی کہ اپنے نامزد کئے ہوئے بھائی کے کام اور تنخواہ کو کسی طرح کا نقصان پہونچائیں، اور اس جگہ کے لئے دوبارہ کوشش کریں، لیکن معاش کے لئے ملازمت کی تلاش بہرحال ضروری تھی، اس لئے جیسے ہی مولانا کو مدرسہ عالیہ میں امین کا عہدہ خالی ہونے کی خبر ملی، مولانا نے اس کے لئے دہلی کالج کے سابق پرنسپل اسپرنگر کے واسطہ سے، جو مدرسہ عالیہ میں بھی بااثر تھا، ملازمت کے لئے درخواست بھیج دی۔

یہ درخواست اسپرنگر کے کاغذات میں محفوظ ہے، اس کی عبارت نقل کی جاتی ہے، جس سے مولانا کی ملازمت بنارس اور سفر حج کے درج بالا تفصیلات کی تصدیق ہوتی ہے۔ مولانا نے لکھا ہے:

> ''ایں احقر مدت چہار سال است کہ مدرس اول عربی، مدرسہ بنارس، بمشاہرہ ہشت و دو روپیہ بحسب منظوری صدر، و خوبی لیاقت خویش مقررہ شدہ بود۔ و اواخر سنہ ۱۸۴۷ء برائے استعداد شرف استیلام عتبات منیفہ بیت الحرام رخصت گرفتہ، و برادر خود را بجائے خود گذاشتہ، بعد جد و جہد بسیار گوہر مقصود بکف آوردہ مراجعت خواست۔

دروقت فرود آمدن از جہاز وارد شدن بمبئی، رحلت گزینی مولوی حافظ احمد کبیر صاحب، امین مدرسہ کلکتہ ازیں جہاں فانی فارغ صماخ شد، ہماں وقت عرضی متضمن خود، درخواست عہدہ امینی مدرسہ مسطورہ، بذریعہ ڈاکٹر ہنٹن صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ، روانہ خدمت حضور فیض گنجور کردہ بودم، از آں جا کہ دراثنائے رہ ہستم، یقین کلی فائز شدن عرضی بخدمت والائی دارم۔

چوں جناب معلی القاب ڈاکٹر سپرنجر صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ دہلی ہم از حال لیاقت وکارکردگی احقر بخوبی آگاہی دارند، درخواست ہذا بذریعہ جناب مفخر الیہم ارسال خدمت فیض درجت کردم"۔(۱)

ترجمہ: یہ احقر چار سال سے مدرسہ بنارس میں، بیاسی روپے ماہانہ تنخواہ پر، عربی کا مدرس اول، صدر کالج کی منظوری اور اپنی صلاحیت کی وجہ سے مقرر ہوا تھا۔ سنہ ۱۸۴۷ء کے آخر میں مقدس مقامات کو چومنے اور بیت اللہ الحرام کی حاضری کی سعادت حاصل کرنے کے لئے چھٹی حاصل کی، اور اپنے بھائی کو اپنی (ملازمت کی) جگہ پر چھوڑ کر، بہت زیادہ جدوجہد کے بعد، اپنے مقصد کو پانے میں کامیاب ہونے کے بعد واپسی چاہی۔

واپسی میں جہاز سے اترنے اور بمبئی آنے کے بعد، مولوی حافظ احمد کبیر صاحب امین مدرسہ کلکتہ کے دنیائے فانی سے رحلت کی، کانوں اور سماعت کو پگھلانے والی خبر سنی، اسی وقت اس مدرسہ کے عہدہ امینی کے اپنی درخواست، ڈاکٹر ہینٹن صاحب بہادر، پرنسپل مدرسہ کے لئے جناب والا کی خدمت میں روانہ کردی تھی، اس جگہ کہ میں سفر میں جہاں ہوں، آنجناب کی خدمت میں اپنی درخواست براہ راست پہنچنے کا یقین نہیں۔

(۱) ایک نادر مجموعہ مکاتیب، ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی صاحب ص:۱۱۸ (سہ ماہی اردو کراچی: ۱۹۸۶)

چوں کہ جناب سپرنجر صاحب بہادر، پرنسپل مدرسہ دہلی بھی احقر کی لیاقت اور کارکردگی سے اچھی طرح سے واقف ہیں، اس لئے یہ درخواست ان ہی کے ذریعہ بے ارسال خدمت کرتا ہوں۔

دہلی کالج میں مدرسی کے لئے کوشش حج سے واپسی کے بعد مولانا کو ملازمت کی تلاش تھی، جس کے لئے پہلی کوشش مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر امین کے عہدہ کے لئے ہوئی تھی، لیکن اسپرنگر کی رائے میں یہ بڑا اور باوقار عہدہ تھا، وہ اس پر کسی تجربہ کار، جہاں دیدہ عالم کا تقرر کرنا چاہتا تھا، جس میں مولانا مملوک العلی نانوتوی کو سب پر ترجیح دیتا تھا۔ سپرنجر(۱) نے مولانا مملوک العلی کی اجازت اور مشورہ کے بغیر، اس ملازمت کے لئے مولانا کی طرف سے درخواست بھجوادی، بعد میں مولانا کو اس کی اطلاع دی، اور خود ہی اس ملازمت اور مولانا مملوک العلی کے تقرر کو منظور کرانے کی کوشش بھی کی، جب مولانا کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے سپرنجر سے تعلقات کا خیال کرتے ہوئے نیم منظوری سی دی۔ مولانا مملوک العلی دہلی کالج سے جانا نہیں چاہتے تھے، دہلی کے علماء اور افاضل بھی جو مولانا کے نہایت دل دادہ اور قدر دان تھے، مولانا کے کلکتہ جانے کو پسند نہیں کرتے تھے۔

بہر حال جب جانے کی بات چلی تو مولانا نے دہلی کالج سے ایک سال کی رخصت کی منظوری، اور کلکتہ میں طبیعت نہ لگنے کی صورت میں دہلی کی ملازمت پر واپسی کی اجازت پر اصرار کیا، اور چاہا کہ مولانا جو عہدہ خالی کر کے کلکتہ جائیں اس پر مولانا کی جگہ مولانا محمد مظہر کو رکھ لیا جائے۔

---

(۱) راقم سطور نے اب تک اسپرنگر لکھا تھا، اور یہی اردو کے اکثر مصنفین اور محققین بھی لکھتے ہیں لیکن اردو دنیا کے نامور ناقد، جناب شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے ایک ملاقات پر رہنمائی کی کہ اردو میں اس کا صحیح تلفظ ''سپرنجر'' ہے، اس لئے آئندہ صفحات میں اسی طرح سے لکھا گیا ہے۔

مولانا محمد مظہر جو خود بھی مدرسہ کلکتہ کی صدر امینی کی کوشش کر رہے تھے، ان کو معلوم ہوا کہ اس عہدہ پر غالباً ان کے ہم سبق، علی اکبر سونی پتی کا تقرر ہو جائے گا، اس وقت علی اکبر دہلی کالج میں مدرس تھا، اس لئے مولانا مظہر نے دوسری تدبیر یہ فرمائی کہ اگر مجھے کلکتہ کی ملازمت نہ ملے، اس پر علی اکبر کا تقرر ہو، تو علی اکبر کے کلکتہ جانے سے کالج میں مدرس کی جو جگہ خالی ہو اس پر مجھے مقرر کر دیا جائے۔ مگر دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل ٹیلر، مولانا مملوک العلی سے، مولانا کے سپر نجر سے دوستانہ کی وجہ سے ناخوش تھا، اس نے دونوں معاملوں میں ٹانگ اڑائی، نہ کلکتہ جانے کے لئے مولانا مملوک العلی کی رخصت منظور ہونے دی، اور نہ کالج میں مولانا محمد مظہر کے تقرر پر آمادہ ہوا۔ دہلی کالج کے ایک سابق طالب علم علی اکبر نے (جو خود بھی اس معاملہ کی ایک کڑی ہے) اپنے ایک خط میں اس کا یوں تذکرہ کیا ہے:

''عرضی مولوی محمد مظہر کی ملفوف ہے، باعث ان کی عرضی لکھنے کا یہ ہے کہ علی اکبر چوں کہ کلکتہ کو بالضرور جائے گا، علاقہ مولوی احمد علی بعد اس کے ہم کو ملے گا، لیکن اب صورت اس کی دگر گوں ہوگئی، یعنی سرکار میں استحقاق روشن علی کا ثابت ہو گیا، میرے بعد وہ علاقہ اسی کو ملے گا۔ مجھ کو وہ علاقہ ملنا مشکل تھا، مگر صرف حضور کے اقبال سے حاصل ہوا، ورنہ مجھ کو کون پوچھتا۔ چنانچہ ٹیلر صاحب مجھ سے فرماتے تھے تو ہی تھا جو یہ علاقہ تجھ کو مل گیا، اور کسی کو ہرگز نہ ملتا۔ اسی واسطے انہوں نے مضطر ہو کر حضور کو لکھا اور سوا رتکاب سفر کے اور کچھ نہیں بن پڑتا۔

اگر مولوی مملوک العلی اور ٹیلر صاحب میں اتفاق ہوتا تو شاید علاقہ مذکور محمد مظہر کو مل جاتا، کیوں کہ اختیار اور رائے بالکل ان دنوں میں ٹیلر صاحب

کو حاصل ہے، لیکن مولوی صاحب ایسے عقل مند ہیں کہ ٹیلر صاحب سے
ناحق بگاڑ اور خلاف کر رکھا ہے۔(۱) (خط مکتوبہ ۱۸ نومبر سنہ ۱۸۵۰ء)

امینی کے مذکورہ عہدہ کے امیدواروں کا امتحان چوں کہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر امین کا عہدہ معزز اور باوقار عہدہ تھا، اور اس کی تنخواہ بھی بہت تھی، اس لئے اس بڑے عہدہ کے لئے متعدد امیدوار تھے، جب سپر نجر کو یقین ہوگیا کہ مولانا مملوک العلی اس ملازمت اور کلکتہ جانے کے لئے تیار نہیں، تو اس نے اس عہدہ کے اور تمام امیدواروں کے لئے ایک امتحان کا اہتمام کیا، جس میں مولانا محمد مظہر کے علاوہ دہلی کے کالج کے تین سابق طالب علم اور فارغین بھی شامل تھے، اس امتحان کا دہلی کالج میں انتظام کیا گیا، یہ امتحان ۹ر دسمبر ۱۸۵۰ء (۴ر صفر ۱۲۶۶ھ) کو ہوا۔ مولانا محمد مظہر نے سپر نجر کے نام ایک خط میں اس امتحان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حسب الحکم حضور کے، پیر کے دن ۹ر تاریخ کو امتحان کے واسطے عہدۂ کلکتہ کے دہلی میں ہوا، احقر نے بھی جو کچھ اس وقت سمجھ میں آیا سو لکھا، لیکن جب مکان پر آیا تو بعد غور و تأمل کے معلوم ہوا کہ اکثر صحیح لکھا ہے''(۱) مکتوبہ از رڑکی ۱۷ر دسمبر ۱۸۵۰ء

امتحان کے نتائج کا علم نہیں، مگر دہلی کالج کے مذکورہ چاروں طالب علموں میں سے، کسی کا بھی اس عہدہ کے لئے انتخاب نہیں ہوا، اس منصب پر دہلی کالج کے ایک اور سابق سینئر طالب علم مولانا سدید الدین دہلوی (جو کالج کے سب سے پہلے صدر مدرس، مولانا رشید الدین خاں کے بیٹے تھے اور اس وقت آگرہ کالج میں عربی کے استاد تھے) نامزد کئے گئے، مولانا

(۱) مکتوب علی اکبر، بنام سپر نجر، مکتوبہ ۱۰ر نومبر سنہ ۱۸۵۰ء۔ ایک نادر مجموعہ مکاتیب ص: ۲۹۸۔
(۱) مکتوب مولانا محمد مظہر، بنام سپر نجر، ایک نادر مجموعہ مکاتیب ص: ۱۲۲۔

سدید الدین، جنوری ۱۸۵۱ء میں اس ملازمت کو سنبھالنے کے لئے کلکتہ روانہ ہو گئے۔یعنی یہ کوشش بھی بارآور ثابت نہیں ہوئی، مولانا محمد مظہر کو ملازمت کی تلاش بدستور رہی۔

دہلی میں مفتی صدر الدین آزردہ کے دفتر میں عارضی ملازمت

یہ قصے اور کاروائی ابھی چل رہی تھی کہ دہلی کے صدر الصدور، مولانا مفتی صدر الدین آزردہ کے دفتر میں، بعض جگہیں ملازمت کے لئے مشتہر ہوئیں، دہلی کالج کے دو فارغین مولانا محمد مظہر اور علی اکبر سونی پتی۔ نے الگ الگ ملازمتوں کے لئے درخواستیں دیں، دونوں کی درخواستیں منظور ہوئیں، اور دونوں کا تقرر ہو گیا۔

مولانا محمد مظہر سررشتہ دار کے منصب کے لئے اور علی اکبر نظارت کچہری کے لئے نامزد کئے گئے، مولانا کی تنخواہ پینتیس روپے ماہوار تھی، علی اکبر کا عہدہ چوں کہ بڑا تھا اس کی تنخواہ ساٹھ روپے مہینہ مقرر ہوئی، یہ تقرر ۱۷ ارمحرم ۱۲۶۶ھ (۲۲ نومبر ۱۸۵۰ء) کو ہوا تھا۔ مولانا نے اس نئی ملازمت پر کام شروع کر دیا تھا، اسی میں کلکتہ کی صدر امینی کے لئے امتحان میں بھی شریک ہوئے تھے، مگر مولانا کو یہ ملازمت غالباً پسند نہیں آئی، اس لئے کسی اور بہتر جگہ کے لئے اپنی پرانی تلاش جاری رکھی۔

رڑکی میں مختصر ملازمت

مولانا کو یہ نیا کام سنبھالے ایک مہینہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ ایک جگہ مولانا کے وطن کے قریب رڑکی میں نکل آئی، رڑکی میں تنخواہ اگرچہ دہلی سے کم تھی، مگر شاید وطن سے قریب ہونے اور یہاں کے اخراجات دہلی کی بنسبت بہت کم ہونے کی وجہ سے، مدرسہ کلکتہ کی امینی کے امتحان کے نتیجہ کا انتظار کئے بغیر، بلا تاخیر رڑکی چلے گئے۔ اس ملازمت کے لئے میکلاگن (۱) نامی کسی انگریز افسر نے طلب کیا تھا، جو شاید مولانا کو پہلے سے خاصا جانتا تھا، اور مولانا کی لیاقت وصلاحیت کا قدردان تھا، مولانا

(۱) یہ میکلاگن ( ) غالباً آر میکلاگن تھے، جو تھامسن سول انجینئرنگ کالج کے سب سے پہلے پرنسپل تھے، (۱۸۴۷ سے ۱۸۵۲ء تک) اب یہ کالج رڑکی یونیورسٹی (یوپی/اترانچل) کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔

۱۶ر دسمبر کورڑکی پہنچے اور میکلاگن نے مولانا کا فوراً ہی وزیٹری پرگنہ کی ملازمت پر، تیس روپئے ماہانہ پر تقرر کر دیا۔

کسی اور ملازمت کی تلاش اور اجمیر میں تقرر اگر چہ مولانا معاشی ضروریات کی وجہ سے رڑکی پہنچکر نئی ملازمت پر حاضر ہو گئے تھے، مگر یہ بھی ایک وقتی عارضی انتظام تھا، مولانا اس ملازمت سے بھی خوش نہیں تھے، اپنے ذوق ومزاج اور یکسوئی کی ملازمت چاہتے تھے، یہ تعلیم وتدریس کی ملازمت تھی۔ مولانا کو پڑھانے کا کیسا جذبہ تھا اس کا مولانا کے، ایک خط کے اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے، مولانا نے رڑکی میں ملازمت قبول کرنے کے دوسرے ہی دن سپرنجر کو لکھا تھا:

"اگر کوئی اور عہدہ مدرسی کا وہاں خالی ہو، یا اردو ترجمہ نیچرل فلاسفی کا وہاں پڑھا جاوے تو بھی حضور، ہم لوگوں کو یاد رکھئے گا۔"

مرقومہ ۱۷ر دسمبر ۱۸۵۰ء (۱۲ر صفر ۱۸۶۶ء)

اجمیر کالج میں شعبۂ عربی کے سربراہ منصب پر تقرر مولانا کی یہ تمنا جلد ہی پوری ہوگئی، رڑکی کی ملازمت کو چند دن بھی نہیں گزرے تھے کہ اجمیر کے سرکاری مدرسہ (کالج) میں عربی کے سربراہ اور استاد کی ضرورت کا اعلان ہوا، مولانا محمد مظہر کئی مہینوں سے ایسی ملازمت کی تلاش میں تھے، اس لئے اس کے لئے فوراً کوشش کی، کوشش کامیاب ہوئی اور یہ عہدہ اور ملازمت مولانا کو مل گئی۔ مولانا اجمیر کب پہونچے اور کب تک رہے، اس کی صراحت نہیں ملی، لیکن ۱۲۶۶ھ (۱۸۵۱ء) کے وسط میں اجمیر میں موجود تھے۔

ملازمت اجمیر کی مولانا کی ایک بڑی اور غالباً پہلی علمی یادگار، موطا امام مالک کا حاشیہ اور اس کی طباعت ہے۔ یہ حاشیہ ۱۲۶۶ھ کے، بہ ظاہر اواخر میں حضرت مولانا

احمد علی محدث کے مطبع احمدی دہلی سے چھپا ہے، مولانا محمد مظہر نے شدت خلوص اور للہیت کی وجہ اس پر نام نہیں لکھا، لیکن مولانا کے عہد کی معتبر تحریروں میں اس کی صراحت ہے کہ یہ کام مولانا محمد مظہر کا کیا ہوا ہے، تفصیلات مولانا کی تصانیف و مؤلفات کی تحت آرہی ہیں۔ (انشاء اللہ)

آگرہ کالج میں مدرس اول

مولانا کی آخری سرکاری ملازمت اور تقرر، مدرسہ آگرہ (آگرہ کالج) کے شعبۂ عربی کی سربراہی پر تقرر تھا، اس ملازمت کا آغاز کب ہوا، اس کا سراغ نہیں ملا، لیکن اس میں شک نہیں کہ مولانا ۱۸۵۷ء کی تحریک کے تقریباً چار سال پہلے آگرہ کالج میں استاد و مدرس تھے، یہ ملازمت ۱۸۵۷ء کی تحریک تک باقی رہی، جب یہ تحریک برپا ہوئی تو مولانا ملازمت چھوڑ کر وطن آ گئے تھے۔

مولانا کی سرکاری ملازمتوں کی یہی ترتیب صحیح ہے

مولانا کی ملازمتوں کی صحیح ترتیب یہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی، بعض اصحاب نے آگرہ کی ملازمت اجمیر سے پہلے ذکر کی ہے، کسی نے کچھ اور لکھ دیا ہے، مگر وہ اطلاعات درست نہیں۔ مولانا کی تحریرات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے بنارس میں تھے، اس کے بعد اجمیر کی ملازمت ملی، اس کا مولانا کی مرتبہ موطا امام مالکؒ کے حوالہ سے بھی ذکر آیا ہے، آخر میں آگرہ آ گئے تھے۔ اس ترتیب کا مولانا نے اپنے ایک بیان میں بھی ذکر کیا ہے، ضلع سہارنپور کے انگریز جج نے، سہارنپور کے نواحی قصبہ لکھنوتی (جو مولانا کی سسرال بھی تھی) کے سنیوں شیعوں کے درمیان ایک نہایت اہم مقدمہ کی سماعت کے دوران، مولانا محمد مظہر صاحب سے (جو سنیوں کے گواہ کی حیثیت سے پیش کئے گئے تھے) دریافت کیا:

تم کب سے سہارنپور میں رہتے ہو؟......... مولانا نے جواب میں کہا:
''پانچ برس [سے] اور پہلے اس سے لکھنؤ، اور اس سے پہلے اکبر آباد اور اس سے پہلے اجمیر میں تھا'' (۱)

مولانا کا یہ بیان ۷/ اگست ۱۸۷۳ء (۱۲ جمادی الثانی ۱۲۹۰ھ) کو ہوا تھا۔

۱۸۵۷ء کی تحریک میں حصہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف مسلح جدو جہد کی آواز بلند ہوئی جو دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں گونج گئی، ہر جگہ ہندوستانیوں خصوصاً علماء کے ایک بڑے طبقہ نے اس کو اپنے دل کی آواز سمجھ کر اپنی اپنی ملازمتیں تج دیں، خدمت و منصب اور عہدہ چھوڑ کر اس میں لگ گئے، اسی فہرست میں مولانا محمد مظہر صاحب بھی شامل تھے۔ اس تحریک کے آغاز سے پہلے مولانا محمد مظہر بنارس کالج میں شعبہ عربی کے سربراہ تھے، مولانا کے چھوٹے بھائی مولانا محمد احسن بھی بریلی کالج میں اسی خدمت پر فائز تھے، جب انقلابیوں کے کارواں بریلی پہونچے تو مولانا محمد احسن نے اس کی برملا مخالفت کیں اور صاف کہدیا کہ یہ جہاد نہیں ہے، اور بریلی کی مسجد میں اس تحریک کی مخالفت میں تقریریں کی۔ (۲) جب حالات زیادہ بے قابو ہوئے تو مولانا محمد احسن بریلی چھوڑ کر وطن آ گئے تھے، ادھر آگرہ سے مولانا محمد مظہر بھی گھر تشریف لے آئے، مگر اس

(۱) اس مقدمہ میں سنیوں کی طرف سے مولانا محمد مظہر کے علاوہ مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور قاضی فضل الرحمن صاحب (قاضی شہر سہارنپور) بھی گواہ کی حیثیت سے پیش ہوئے تھے، تینوں کے بیانات اس روداد میں درج ہیں۔ اس مقدمہ کی روداد، مقدمہ سنی وشیعہ کے نام سے سب سے پہلے مطبع ہاشمی میرٹھ سے ۱۸/ نومبر ۱۸۷۳ء کو چھپی، جو بہت مقبول ہوئی اور تھوڑے وقت میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔

(۲) مولانا محمد احسن کی اس تقریر کا ہنری جارج کین (HENRY GEORGE KEENE) نے اپنی کتاب سنہ ۵۷ (FITY SEVEIN) میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ، تذکرہ مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری ص: ۵۱ (کراچی: ۱۹۶۶ء)

111793

تحریک کے حوالہ سے دونوں کی رائے الگ تھی، مولانا محمد احسن اپنی تقریر والی رائے پر قائم تھے لیکن مولانا محمد مظہر اس کو جہاد کہتے تھے۔

اس مقصد کے لئے جو ایک مشورہ ہوا، اس میں مولانا شیخ محمد تھانوی کی رائے بھی یہی تھی کہ یہ جہاد نہیں ہے، مولانا محمد احسن نے مولانا شیخ محمد کے خیال کی تائید کی، مولانا محمد احسن کے پوتے، منشی عزیز حسن نانوتوی کی اطلاع ہے کہ، اس پر مولانا محمد مظہر نے مولانا نے مولانا محمد احسن کو ڈانٹا، آخر میں جہاد کے حق میں فیصلہ ہوا۔(۱) اگرچہ تفصیلات مفقود ہیں، لیکن جو مختصر اشارات وروایات ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مظہر نے اس میں مردانہ وار حصہ لیا، زخمی بھی ہوئے، مولانا کے ٹخنہ میں گولی لگی تھی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گھٹنے میں گولی لگی تھی، جس کی وجہ سے پاؤں میں لنگ ہوگیا تھا، چلنے میں زحمت ہوتی تھی۔

میدان جنگ سے جنت کا سدا بہار تحفہ ملا سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے حضرت مولانا کی یہ عادت ہوگئی تھی کہ وہ اوپر کے ہونٹ پر بار بار زبان پھیرتے رہتے تھے، اور اس سے لطف اندوز ہوتے تھے، یہ ایک دائمی اور ہمیشہ کا معمول تھا، ظاہر ہے کہ ایک بڑے عالم، استاد اور محدث کی اس حرکت یا عادت کو دیکھ کر خواص وعام حیرت زدہ رہتے ہوں گے، کسی نے مولانا نے اس کا سبب دریافت کیا، مولانا خاموش رہے، بہت اصرار پر فرمایا کہ:

> ”جس وقت انگریزوں سے شاملی میں لڑائی ہوئی اور مسلمانوں پر حملہ ہوا اور میرے ساتھی جاں بہ لب ہوگئے اور میں نے بھی گھٹنے میں گولی کھائی، میں نے اس حالت میں حوروں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھوں

(۱) تذکرہ مولانا محمد احسن۔ ایوب قادری ص:۵۴۔

میں گلاس ہیں، اور مخصوص قسم کا شربت ان میں بھرا ہوا ہے، جس کو وہ میرے ان ساتھیوں کو پلا رہی ہیں، جو جاں بہ لب ہو چکے تھے، اور ان کے بچنے کی کوئی توقع نہیں تھی، اسی دوران ایک حور نے میری طرف بھی رخ کیا، اور میرے منھ سے گلاس لگایا ہی تھا، کہ دوسرے حور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور کہا کہ، یہ ان میں سے نہیں کہ جن کا انتقال ابھی ہوگا، اس وقت کچھ معمولی سا شربت میرے اوپر کے ہونٹ پر لگ گیا تھا، جس کا ذائقہ اب تک موجود ہے، اور اسی وجہ سے میری یہ عادت ہے"۔(۱)

اللہ اللہ! کیسے لوگ تھے، کیا مرتبے پائے اور کن نعمتوں سے مالا مال اور سرشار و فیض یاب ہوئے، یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے۔

بلاشبہ یہ اسی قافلہ کے افراد میں سے تھے جن کے متعلق فرمایا گیا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ. (سورۃ الاحزاب آیت:۲۴)

ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا۔

منجانب اللہ، امداد کا ایک واقعہ شاملی اور تھانہ بھون میں جو معرکہ آرائی ہوئی وہ مجاہدین کی کامل فتح کے بعد، انگریزوں کی تازہ دم فوج کے آنے اور قوت مزاحمت بہت شدید ہو جانے کی وجہ سے ناکامی اور شکست میں بدل گئی تھی، اس لئے شاملی کا قبضہ بھی ختم ہوا اور تھانہ بھون اور نواح کے علاقوں سے بھی کاروان حریت کے نام لیواؤں کو بھاگنا پڑا،

(۱) ملفوظات فقیہ الامت (مجموعۂ ملفوظات مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی) ص:۵۴ مرتبہ مولانا مسعود احمد قاسمی ص:۹۴ حصہ اول، (دیوبند:۱۴۰۶ھ)

اسی میں مولانا محمد مظہر بھی شامل تھے، مولانا کو، فرار کے وقت جب انگریز تعاقب میں تھے ایک جنگل کے کوٹھے میں پناہ لینی پڑی، لیکن وہاں پانی نہیں تھا جس کی وجہ سے بہت پریشانی ہوئی، مولانا نے یقیناً بارگاہ الٰہی میں التجا کی ہوگی، اور مولانا کے ایمان والیقین کی کیفیت باکرامت دیکھئے کہ، مولانا نے اللہ کے بھروسہ پر ایک ٹوٹا ہوا گھڑا کوٹھے کے پرنالہ کے نیچے رکھ دیا، اللہ کی شان کہ فوراً زوردار بارش ہوئی اور گھڑا بھر گیا، یہ گھڑا ختم ہوگیا، پھر ضرورت ہوئی تو پھر اسی طرح بارانِ رحمت متوجہ ہوئی اور مولانا کو شاداب وسیراب کرگئی۔(۱)

تحریک سنہ ۱۸۵۷ء میں ناکامی کے بعد روپوشی اور بریلی میں قیام

جب یہ تحریک ناکام ہوگئی دوبارہ انگریز کا قبضہ ہوگیا، دہلی کی برائے نام حکومت بھی مغلوں کے ہاتھ سے جاتی رہی، اس وقت ایسے تمام اشخاص کی تلاش اور گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور ان سب کا گویا نام ونشان مٹا دینے کی مہم چلائی گئی، ان کے ہر قسم کے اثرات کے مکمل خاتمہ کی کوشش ہوئی، ہر ایک مجاہد بلکہ باغی اور معرکہ آراء شخص کے لئے انتہائی سخت سزاؤں کا اعلان کیا گیا، اور اس پر فوراً عمل بھی شروع ہوگیا، چناں چہ ہزاروں لاکھوں افراد کو پھانسیوں پر لٹکایا گیا، بے شمار افراد گولیوں کا نشانہ بنے، جو ہاتھ نہ آئے ان کی گرفتاری کے احکامات جاری ہوئے، تلاش کر کے فوراً دار پر چڑھانے کی ہدایت ہوئی، ایسے میں جو لوگ اپنے اپنے گھروں علاقوں سے کہیں دور جا کر گم نامی میں زندگی گزار سکتے تھے، یا وہاں ان کے چھپنے کا موقع تھا، وہاں چلے گئے تھے۔

مولانا محمد مظہر بھی اسی کارواں کے مسافر تھے، مولانا بھی انگریزوں کے ہاتھ آتے تو شاید موت کی سزا پاتے، کم سے کم سخت مصیبت اٹھاتے، اس لئے مولانا نے بھی اپنے علاقہ اور وطن کو خیر باد کہا، غالباً کچھ دنوں تک ادھر اُدھر چھپنے کے بعد بریلی پہونچے،

(۱) ملفوظات فقیہ الامت، ص: ۹۴ حصہ اول، (دیوبند: ۱۴۰۶ھ)

جہاں ان کے بھائی مولانا محمد احسن پہونچ کر کالج میں اپنے منصب پر واپس آ گئے تھے، اور حکومت کے وفادار سمجھے جاتے تھے۔ مولانا بریلی جا کر غالباً ان ہی کے مکان پر مقیم ہوئے اور کئی سال تک وہاں یکسوئی سے کام کرتے رہے، جب باغیوں کے لئے عام معافی کا اعلان ہوا اس وقت بریلی سے نکلے، غالباً اسی فرصت میں مولانا نے مولانا خرم علی کے ترجمہ درمختار کو مکمل کیا، جو بعد میں غایۃ الاوطار کے نام سے شائع ہوا۔

مولانا کا دوسرا سفر حج بھی اسی روپوشی کے زمانہ میں ہوا۔ چوں کہ نانوتہ سہارنپور، اور اس نواح کے علمائے کرام کی ایک بڑی جماعت سنہ ۱۸۵۷ء کی تحریک میں شامل، نہایت سرگرم اور پیش پیش رہی، اس لئے ان سب کے لئے بھی بڑے خطرات تھے، وہ بھی اُدھر ادھر چھپتے پھرے، حج کے سفر کی بات آئی تو سب کو اطمینان ہوا، اور سب کے عزیزوں رشتہ داروں نے روپوشی کی بلا کی وجہ سے خوشی سے اس کو منظور کرلیا۔ یہ قافلہ جمادی الاول ۱۲۷۷ھ (نومبر ۱۸۶۰ء) میں نانوتہ اور اس کے اطراف سے حج کے ارادے سے روانہ ہوا، ان کا ایک سال سے زیادہ سفر میں گذرا، جب ہندوستان واپس پہونچے تو معافی عام کا اعلان ہو چکا تھا، اس لئے سب اپنی اپنی خدمات اور متعلقہ ذمہ داریوں سے وابستہ ہوگئے، مولانا محمد مظہر نے مطبع میں تصحیح کتب کی خدمت پسند کی، اور اس مقصد سے اسی وقت مطبع نول کشور لکھنؤ میں تصحیح کتب کے لئے ملازم ہوگئے۔

مطبع منشی نول کشور لکھنؤ میں تصحیح کتب کی ملازمت

سنہ ۱۸۵۷ء کی تحریک میں شرکت کے بعد ان سب حضرات کا انگریزوں کی ملازمت اور اس کے ساتھ سرگرم تعاون کے سلسلہ میں نقطۂ نظر پوری طرح تبدیل ہو چکا تھا، اگر حکومت کی طرف سے اجازت بلکہ پیش کش بھی ہوتی تو شاید ان حضرات میں سے ایک عالم بھی سرکاری ملازمت وخدمت کو پسند بلکہ منظور بھی نہ کرتے، لیکن معاش کا سوال اپنی جگہ تھا، اس کے

لئے کسی دینی علمی ذریعہ اور کام کی تلاش ہوئی۔ اس وقت منشی نول کشور کا مطبع بہت بڑا اشاعتی تجارتی ادارہ تھا جو اسلامی علوم کی بڑی بڑی کتابیں تصحیح وحواشی کے اہتمام کے ساتھ چھاپ رہا تھا، اس مطبع کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہوگیا تھا کہ متعدد بڑے علماء کو جو خالص علمی مزاج کے تھے، مگر انگریز کے تازہ تسلط کے بعد اس سے تعاون اور اس کی ملازمت کو پسند نہیں کرتے تھے، کو ایک معقول اور مناسب ومعتبر ذریعہ معاش میسر آ گیا تھا، اور ان کی علمی صلاحیتوں کے لئے ایک میدان عمل بھی نکل آیا تھا۔

مولانا محمد مظہر بھی اسی مطبع منشی نول کشور میں سو روپے ماہانہ تنخواہ پر ملازم ہوگئے تھے۔

سو روپئے ماہانہ تنخواہ سو روپے ماہانہ تنخواہ، اس زمانہ کے معیار تنخواہ کو دیکھتے ہوئے غیر معمولی اور شاہانہ تنخواہ تھی، مولانا کی اس بڑی تنخواہ کا مولانا کے وطن نانوتہ میں چرچہ رہتا تھا۔ دوسرے لوگوں کی بھی خواہش رہتی تھی کہ ہمارے یہاں بھی کسی کی تنخواہ سو روپئے ماہوار ہو، یہاں تک کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے والد ماجد شیخ اسد علی، مولانا محمد مظہر کے والد ماجد سے کہا کرتے تھے:

''ایک تمہارا بیٹا ہے کہ مطبع نول کشور میں سو روپئے پا رہا ہے، اور ایک ہمارا بیٹا ہے کہ باہر سے کما کر تو کیا لاتا اور الٹا گھر سے خرچ کر رہا ہے'' (۱)

مولانا مطبع منشی نول کشور سے کب وابستہ ہوئے، اس کی تاریخ مجھے نہیں ملی، تاہم مطبع میں مولانا کی تصحیح سے جو کتابیں چھپیں، ان میں حضرت امام غزالی کی احیاء العلوم بھی شامل ہے، اس کا پہلا ایڈیشن سنہ ۱۲۸۱ھ (۶۵-۱۸۶۴ء) میں چھپا تھا، جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ مولانا کی مطبع نول کشور سے پرانی وابستگی تھی جس میں خاصی مہارت اور تجربہ شامل ہوگیا تھا۔

(۱) روایت مولانا محمد طاہر قاسمی، سوانح قاسمی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ص: ۴۹۵ جلد اول (دیوبند: ۱۳۷۳ھ)

مولانا محمد مظہر سنہ ۷۹-۱۲۷۸ھ سے ۱۲۸۵ھ تک سات سال سے زائد عرصہ تک اس خدمت میں مشغول رہے، اس درمیان حضرت مولانا نے اس مطبع کے لئے ملت اسلامیہ کی، چند نہایت اہم اور بے مثال تصانیف و کتب کی نہایت توجہ اہتمام اور دقت نظر سے تصحیح کی، حضرت مولانا کی تصحیح سے شائع، حضرت امام غزالی کی شہرۂ آفاق کتاب احیاء العلوم کا مختصر ذکر آ چکا ہے، اسی طرح کی دوسری یادگار عالمی اسلامی ورثہ کی اہم تصنیف، علامۂ محدث شیخ محمد طاہر پٹنی کی مجمع البحار تھی جو اس وقت ان کتابوں کی دنیا میں گویا اعلیٰ ترین اشاعت تھی۔

ایوب قادری صاحب نے تذکرہ مولانا محمد احسن نانوتوی میں، مولانا محمد مظہر کی مطبع منشی نول کشور میں ملازمت کی تردید کی ہے(۱) مگر مولانا کے قلم سے اس کی متعدد تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا نے احیاء العلوم اور مجمع البحار کے آخر میں جو خاتمۃ الطبع تحریر فرمایا ہے وہ اس کا ناقابل تردید ثبوت اور قطعی شہادت ہے کہ مولانا محمد مظہر کئی سال تک مطبع منشی نول کشور میں ملازم رہے، خاتمہ مجمع البحار پر درج مولانا کی تحریر کی چند سطور ملاحظہ ہوں:

"فیقول العبد الضعیف محمد مظهر، غفر الله له ولوالدیه. منذ ساقنی المقدور الی بلدة لکهنؤ، وتوالی الدهر بهذا المطبع"....(۲)

(۱) مولانا محمد احسن ص:۱۵۵ (کراچی: ۱۹۶۶ء)

(۲) مجمع البحار۔ علامہ محمد طاہر پٹنی ص:۵۵۳ جلد اول (لکھنؤ ۱۲۸۳ھ)

مظاہر علوم سہارنپور میں تقرر مولانا منشی نول کشور کے مطبع میں لکھنؤ میں کام کر رہے تھے کہ رجب ۱۲۸۳ھ (نومبر ۱۸۶۶ء) میں حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوری نے سہارنپور میں ایک دینی مدرسہ کی ابتداء فرمائی، اور اس کے لئے اپنی ذاتی خدمات کے علاوہ ایک مدرس (مولانا سخاوت علی انبیٹھوی) کا بھی تقرر فرمالیا۔ مدرسہ کا قیام ایسا مفید اور بابرکت اقدام تھا کہ چند مہینوں میں اس کی شہرت دور تک پہونچ گئی، اور دور دراز علاقوں سے تعلیم کے خواہش مند طلبہ سہارنپور کا رخ کرنے لگے، مدرسہ کو قائم ہوئے تین مہینہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس میں مزید استادوں، تعلیم کے لئے علیحدہ جگہ اور ایک فاضل منتظم کی ضرورت محسوس ہونے لگی اس وقت بانی مدرسہ مولانا سعادت علی فقیہ نے مدرسہ کی نگرانی اور اعلی درجات کی تعلیم کے لئے ایسا انتخاب فرمایا، جس سے اس مدرسہ اور اس کے نظام کو چار چاند لگ گئے، اور اس کو ایسا استقلال، اعتماد اور مضبوط تعلیمی نظام حاصل ہوا جو اب تک اس مدرسہ کی رہنمائی کررہا ہے۔ یہ حضرت مولانا محمد مظہر تھے، جو مولانا سعادت علی کی ہدایت وفرمائش پر لکھنؤ کی بڑی تنخواہ اور معقول ملازمت چھوڑ کر فوراً آگئے اور آتے ہی اس پودے کی آبیاری اور ترقی کی فکر میں لگ گئے تھے۔

منشی نول کشور کی مولانا سے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست مولانا محمد مظہر صاحب نظر بڑے عالم تھے، مولانا کی باریک بینی اور فاضلانہ نگاہ کا منشی نول کشور کو خوب اندازہ تھا، اور وہ مولانا کی تصحیح کی ہوئی کتابوں کی علمی دنیا میں پذیرائی اور منزلت سے بھی اچھی طرح واقف تھے، اس لئے منشی جی چاہتے تھے کہ مولانا مطبع سے اپنا رشتہ باقی رکھیں، شاید منشی جی کو یہ بھی خیال ہوا ہو کہ مولانا جیسے بڑے عالم کی اس مطبع سے بے تعلقی کی وجہ سے مطبع کا علمی کام اور

وقعت متأثر ہوگی، اس لئے منشی جی نے مولانا سے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست کی، مولانا نے مدرسہ کی خدمت کے سامنے اس کو لائق اعتنا سمجھ کر قبول نہ فرمایا۔ حالاں کہ مطبع سے یہ پیش کش بھی ہوئی تھی کہ مولانا یہ کام اپنے گھر پر یا سہارنپور میں رہ کر ہی انجام دیں، معاوضہ کے طور پر جب سابق ایک سو روپئے تنخواہ، اور مطبع سے شائع ہر ایک کتاب کے وہ کسی بھی موضوع پر ہو پانچ پانچ نسخے مولانا کی خدمت میں تحفۂ پیش کئے جائیں گے، لیکن مولانا نے مدرسہ سہارنپور کی خدمت اور تعلیم وافادہ کا جو ارادہ فرمالیا تھا، اس میں ذرا لغزش نہیں آئی اور اس بڑی پیش کش کو بلا تأمل رد فرمادیا، معمولی تنخواہ پر مدرسہ کی خدمت فرماتے رہے۔

تقرر کی تاریخ اور تنخواہ مولانا محمد مظہر شوال ۱۲۸۳ھ (فروری ۱۸۶۷ء) میں مدرسہ میں تشریف لائے، تیس روپئے ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی، مدرسہ کی روداد میں لکھا ہے:

> واضح ہو کہ رجب ۱۲۸۳ھ میں اس مدرسہ کی بنیاد مولوی سعادت علی صاحب نے قائم کی، اس وقت سے یہ مدرسہ بفضل الٰہی جاری ہے، مدرسوں کو تنخواہ چندہ مجتمعہ سے جو وقتاً فوقتاً ارباب ہمت کی توجہ سے جمع ہوتا ہے، ملتی ہے۔
>
> سنہ ۱۲۸۳ھ میں جب مدرسہ شروع ہوا تھا صرف ایک مدرس مقرر کیا گیا تھا جس کی تنخواہ (بارہ روپئے) تھی، دوسرے سال جب چندہ کی ترقی ہوئی ایک اور مدرس جس کی تنخواہ پچیس روپئے بہ منظوری ارباب جلسہ قرار پائی، مدرسہ کے لئے طلب کیا گیا(۱)

(۱) کیفیت [روداد] مدرسہ عربیہ (مظاہر علوم) سہارنپور ۔ سنہ ۱۲۹۰ھ ص:۲

بہر حال مولانا آئے اور آتے ہی مدرسہ کی مسند درس پر جلوہ افروز ہو گئے، اور اس دن سے وفات کے دن تک اس قدر محنت، اخلاص اور دل سوزی سے مدرسہ کی خدمت کی، اور اس طرح ہمہ تن علم اور درس میں مصروف ہوئے، کہ گویا کسی اور کام سے کبھی واسطہ اور واقفیت ہی نہیں تھی۔ مولانا سعادت علی صاحب کی مدرسہ کے علاوہ اور بھی بعض مصروفیات تھیں، جس کی وجہ سے تعلیم پر مولانا کماحقہ اور ہمہ وقت توجہ نہیں فرما سکتے تھے، مولانا محمد مظہر نے مولانا کی تمام خدمات کو اس طرح مکمل فرمایا کہ مولانا سعادت علی صاحب بالکل مطمئن ہو گئے...... روداد میں لکھا ہے:

''سوم، کمی مدرسین کمی اور سامان سے تمام بار تعلیم صرف ذمہ مولوی محمد مظہر صاحب مدرس اعلیٰ رہا، اگرچہ سبب نہ بہم پہونچنے دوسرے مدرسین لائق کے، مولوی سعادت علی صاحب نے بہت سے سبق طلبہ کے لئے اپنے ذمہ لئے، مگر چوں کہ مولوی صاحب ممدوح کو ایسی بے فکری نہیں، کہ جملہ تفکرات متعلقہ سے بے فکر ہو کر اپنے کو وقف مدرسہ کرتے، اور تمام اسباق طلبہ بے فکری کے ساتھ، حسب خواہش مہتممان ہوتے جاتے'' (۱)

معاملات کی تمام ذمہ داری، کتابوں کی تدریس، مدرسہ کا انتظام طلبہ کی فکر، چندہ کوشش، یعنی مدرسہ کے ہر ایک کام کو مولانا اپنا کام جانتے اور خود کو اس کے لئے جواب دہ سمجھتے تھے، اور مدرسہ سے متعلق جملہ امور کو ایسے انہماک اور جانکاھی سے انجام دیئے کہ بانی مدرسہ مولانا سعادت علی، مہتممان مدرسہ مولانا قاضی فضل الرحمان اور مولانا ذوالفقار علی وغیرہ کے امتنان

(۱) کیفیت [روداد] مدرسہ عربی (مظاہر علوم) سہارنپور ۱۲۸۵ھ (ضمیمہ نجم الاخبار، میرٹھ)

وتشکر کا موجب ہوئے اور مدرسہ عربیہ (مظاہر علوم) سہارنپور کے علاوہ، اس دور کے ممتاز علماء اور اصحاب درس وافادہ کے لئے ایک معیار ومثال بن گئے۔

مولانا محمد مظہر کے سپرد جو اسباق تھے مولانا ان کی تکمیل پورے اہتمام سے کراتے تھے، اس کے علاوہ اور مدرسین کی ناتمام کتابیں بھی ذوق وشوق سے پڑھاتے اور مکمل کرادیتے تھے۔ ممتحن موجود نہ ہونے کی صورت میں خود ہی امتحان لینے کی ذمہ داری بھی قبول فرمالیتے، اور اس کو بہتر سے بہتر طریقہ پر پورا فرمادیتے۔ سنہ ۱۲۸۵ھ کی روداد کے حوالہ سے گذر گیا ہے کہ: ''تعلیم کا تمام بار مولانا محمد مظہر پر رہا'' اس سال کی روداد میں مولانا کی اور خدمات کا بھی اعتراف ہے، سالانہ امتحان مولانا نے لیا، امتحان میں طلبہ کی لیاقت ومحنت ظاہر ہوئی، اس کے لئے مولانا کی توجہ کا اعتراف کیا گیا ہے۔ لکھا ہے:

''طلبہ کی لیاقت، سب کارگزاری اور محنت مولانا محمد مظہر کی ہے'' (۱)

مولانا کی امتحان لینے میں توجہ اور کارگزاری کا بھی احسان مندی کے جذبہ کے ساتھ ذکر ہے، تحریر ہے:

''مولوی محمد مظہر صاحب مدرس اول، مدرسہ ہذا نے، نہایت عرق ریزی اور سرگرمی سے کئی روز تک تحریری اور تقریری امتحان طلبہ کا لیا'' (۲)

مدرسہ کو قائم ہوئے دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ، مدرسہ کے بانی مولانا سعادت علی صاحب فقیہ سنہ ۱۲۸۵ھ میں رحلت فرماگئے، اس وقت سے مدرسہ کی عملاً تمام ذمہ داری مولانا کے اوپر آگئی تھی، مولانا نے اس ذمہ داری کو اس طرح نبھایا کہ خود کو مدرسہ کے لئے وقف اور گویا فنا کردیا تھا۔

(۱) کیفیت مدرسہ (روداد) سنہ ۱۲۸۵ھ ص:

(۲) روداد مذکور۔ ص:۶

''مجدالاماثل فخرالافاضل مولانا مولوی محمد مظہر صاحب سلمہ مدرس اول۔ کاروائی مدرسہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے کار متعلقہ کے اور امور کلیہ اور جزئیہ، انتظام مدرسہ میں ایسے ایسے توجہ فرمارہے ہیں کہ جو حالت موجودہ مدرسہ کو بنظر تفصیل معائنہ کرتا ہے وہ ممنون ومشکور مولانا ممدوح کا ہوتا ہے، اور ایک رکن أعظم قیام مدرسہ کا تصور کرتا ہے، **الحمدلله علي ذالک.**

واسطے سال آئندہ کے چوبیس روپیہ کا اضافہ ارباب انتظامیہ نے نسبت موصوف منظور فرمایا''(۱)

اسی روداد میں یہ بھی تحریر ہے:

''مدرس اول صاحب کی کاروائی سے صاف ظاہر ہے کہ صاحب موصوف نے سوائے کار عہدہ کے، بہت انتظام ذمہ اپنے لے رکھے ہیں، جن کی نسبت یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ اگر دے کام بے توجہ رہیں، تو مدرسہ میں ایک طرح کا خلل نمایاں نظر آنے لگے۔(۲)

اس سال مدرسہ کا سالانہ امتحان مولانا عبدالرزاق صاحب نے پانچ چھے روز تک لیا، امتحان کے نتائج سے بہت خوش ہوئے، مولانا نے طلبہ کی عمدہ استعداد کی تعریف کا ذکر کرتے ہوئے اس کو بھی مولانا محمد مظہر صاحب کی توجہ دلی اور اخلاص قلبی کا اثر قرار دیا تھا۔ مولانا کے کلمات درج ذیل ہیں:

(۱) کیفیت مدرسہ (روداد) سنہ ۱۲۸۷ھ ص:۲

(۲) روداد مذکور ص:۳

''کاتب کیفیت ہذا نے جملہ حالات سالانہ مدرسہ اور بنظر تفصیل دیکھا، مدرس صاحب کو اپنے اپنے کام کی طرف مستعد اور آمادہ پایا، اور اثر توجہ دلی اور اخلاص قلبی مولانا مولوی محمد مظہر صاحب، مدرس اول کا معائنہ کر کے ممنون و مشکور ہوا۔(۱)

اسی معائنہ کی چند سطور اور ملاحظہ ہوں:

''طلبہ کا امتحان ...... تحریری و تقریری پانچ چھے روز تک لیا، مجموعہ حالت موجودہ مدرسہ قابل تحسین و آفریں پائی اور جو ایک اندیشہ ترج بیماری کا طلبہ کی طرف سے مظنون خاطر تھا، اس کا اثر بہت کم پایا۔ الحمدللہ علی ذلک۔(۲)

سنہ ۱۳۰۱ھ مدرسہ کے لئے تعلیمی لحاظ سے اچھا نہیں تھا، اس سال سہارنپور اس کے اطراف ونواح میں بلکہ دور دور تک وبا اور بخار وغیرہ کی بیماری پھیلی ہوئی تھی، جس کا تقریباً پورے سال خاصا اثر رہا، اس کی وجہ سے مدرسہ کے طلبہ اور تعلیم دونوں متاثر ہوئے، مگر اس بیماری میں بھی مدرسہ کے جو چار پانچ مدرس اور ملازم بیماری میں مبتلا ہونے کے باوجود مدرسہ میں حاضر ہوتے رہے، اور تعلیم و سبق کی خدمت جاری رکھی، ان میں بھی حضرت مولانا محمد مظہر کا نام نامی سرفہرست درج ہے۔ اس سال کی روداد کے آغاز پر تحریر ہے:

''آخر اس سال میں بیماری تپ لرزہ کی ایسی عارض ہوئی کیا شہر سہارنپور کیا گرد ونواح بلکہ دور دور ملکوں تک کسی کو نہ چھوڑا، ہر جانب سے یہی صدا آئی اور ہر طرف سے یہی آواز سنی گئی، خصوصاً قصبہ

(۱) کیفیت مدرسہ عربی۔ (مطبوعہ مطبع صدیقی، بریلی: ۱۲۸۸ھ) ص: ۳
(۲) کیفیت مذکور ص: ۱۰

دیو بند میں ایک تہلکہ پڑ گیا، اکثر طلبہ و مدرسین بھی بیمار ہوئے، جب متعلقین مدرسہ کو بیماری زیادہ پیش آئی کہ جس کی جہت سے کار مدرسہ سرانجام نہ ہو سکا، لاچار ہو کر مدرسین وطلبہ کو رخصت دی گئی کہ جب بیماری رفع ہو جاوے گی متعلقین مدرسہ لائق کار کے ہو جاویں گے، تب مدرسہ جاری ہوگا، مگر تاہم مولانا مولوی محمد مظہر صاحب مدرس اول، مولوی پیر محمد خاں صاحب نائب مہتمم، و مولوی عنایت الٰہی صاحب محرر، و مدرس فارسی اکثر اوقات میں، و مولوی حافظ قمر الدین صاحب مدرس قرآن مجید، بعض اوقات میں جب بیماری سے فرصت ہوتی، مدرسہ میں تشریف لاتے وکار متعلقہ اپنا اپنا انجام دیتے۔ جزاھم اللّٰہ خیر الجزاء۔

اس سال مدرسہ کا سالانہ امتحان لینے کے لئے حضرت مولانا گنگوہی سے درخواست کی گئی تھی، حضرت مولانا نے امتحان لیا اور مولانا محمد مظہر نے طلبہ کی نہایت تحسین فرمائی، اور خوش ہو کر دو طالب علموں کی جامع مسجد کے جلسہ میں دستار بندی، کی اور مدرسہ کے رجسٹر میں یہ کلمات فرمائے:

''یہ احقر العباد چوبیسویں جمادی الثانیہ ۱۳۰۱ھ میں مدرسہ عربیہ سہارنپور میں حاضر ہوا، تو چند جماعات کا امتحان خواندگی کا لیا۔ ازاں جملہ دو شخص در مختار خواں کو کہ جماعت اولی، مدرس اعلی مولوی محمد مظہر صاحب مدفیوضہم کی تھی، قابل اجازت وذی استعداد پایا، پڑھنے میں فکر وفہم کو حاضر کرتے تھے، لہذا ان کو مجمع عام جامع مسجد میں اجازت دے کر دستار دی گئی''۔

مرض وفات میں اسباق کے انہماک کا حال مدرسہ کی روداوں میں اور مولانا کے شاگردوں کے قلم سے جو چند اطلاعات محفوظ ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی زندگی کے آخری دن آخری سبق پڑھانے اور آخری کتاب کی تعلیم تک، حضرت مولانا کی ویسی ہی کیفیت رہی، آخری دن آخری سبق میں بھی وہی اخلاص اور دل سوزی تھی جو قدیم سے چلی آ رہی تھی۔ مولانا کے ایک شاگرد، مولانا حشمت علی بنارسی نے، جو مولانا کے آخری شاگردوں میں ہیں اور حضرت مولانا کے مرض وفات بلکہ وفات کے دن تک، حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر تھے، مولانا کی کیفیت مرض وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"[حضرت مولانا] تادم آخر اس قدر درس تدریس میں مشغول رہے کہ بیماری میں بھی نہ چین لی، جب طاقتِ نشست بالکل بالائے طاق ہوئی تو بھی لیٹ کر تعلیم دیتے، حتی کہ مرض الموت میں چند سبق توضیح تلویح، جماعت خاکسار کو لیٹ کر پڑھائے۔ اگرچہ بعض خدام کا جی چاہتا کہ سبق نہ پڑھیے، کیوں کہ کوئی طلبہ سے تقریر الٹی کر دیتا، آپ جواب دیتے تنفس ہونے لگتا، دیکھ کر نہایت کلفت ہوتی لیکن کیا کیجیے کہ سخت ناراض ہوتے کہ سبق نہیں پڑھتے، کب تک جیتا رہوں گا"۔(۱)

مولانا کی سالانہ تدریس کی مقدار و معمول مدرسہ مظاہر علوم میں یہ معمول تھا کہ مدرسہ کے صدر مدرس، نائب صدر مدرس اور اعلیٰ درجات کے استادوں اور فارسی کے مدرس اول نے، سال بھر میں کون کونسی کتابیں کہاں سے کہاں تک کس قدر صفحات، یا کتنی مرتبہ پڑھائی، اس پر نظر رکھی جاتی تھی، اور وہ مقدار خواندگی مدرسہ کی روداد میں

(۱) طریقۂ شریعت ص:۶ (مجتبائی دہلی: ۱۳۰۴ھ)

پابندی سے چھپتی تھی، مولانا محمد مظہر صاحب کی زندگی تک سب سے زیادہ علوم اور کتابیں پڑھانے والے استادوں میں مولانا کا نام سرفہرست رہا۔

آج کے طلبہ بلکہ مدرسین کرام بھی اس مقدار خواندگی کو حیرت سے پڑھیں گے کہ ایک شخص مدرسہ کی اور مصروفیات کے ساتھ اس قدر کتابیں کیوں کر پڑھا سکتا ہے۔ یہ تمام مقدار خواندگی سنین کے ترتیب کے مطابق یہاں درج کی جارہی ہے، اس سے مولانا کی علوم اور کتابوں پر دسترس اور درس وافادہ سے شغف کا علم ہوگا۔ روددادوں میں جو اطلاعات ہیں ان میں کتابوں کی ترتیب ملحوظ ہے، نہ موضوعات وکتب کی، راقم نے دونوں کو مرتب کردیا ہے، مزید سہولت کے لئے ان پر نمبر شمار بھی ڈال دئے ہیں۔

مقدار خواندگی حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں سنہ ۱۲۸۷ھ سے ۱۳۰۲ھ تک

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۸۷ھ

(۱) ترجمہ قرآن شریف
(۲) بخاری شریف
(۳) ترمذی شریف کتاب التفسیر تک
(۴) ہدایہ شروع سے کتاب الدعوی تک اور کتاب الوکالت سے وصایا تک
(۵) درمختار کتاب الحج تک
(۶) توضیح وتلویح ۴۰ صفحہ تک
(۷) حسامی، کل
(۸) نورالانوار، بحث الامر سے آخر تک

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۸۸ھ

(۱) ترجمہ قرآن شریف
(۲) تفسیر بیضاوی
(۳) بخاری شریف، کتاب التفسیر سے آخر تک
(۴) بخاری شریف، شروع کتاب الزکاۃ تک

(۵) صحیح مسلم (۶) سنن ابوداؤد
(۷) ابن ماجہ شریف (۸) ہدایہ، کتاب الدعوی سے کتاب الشفعہ تک
(۹) توضیح وتلویح (۱۰) شرح عقائد خیالی پ
(۱۱) مقامات حریری

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۸۹ھ

(۱) ترجمہ قرآن شریف، تمام (۳) بخاری شریف، از کتاب الزکاۃ تا آخر
(۲) ترجمہ قرآن، از سورہ مریم تا آخر (۴) صحیح مسلم، نصف آخر تک
(۵) ابی داؤد، کتاب الاطعمہ تک (۶) مشکوۃ شریف، باب سجدہ سہو تک
(۷) ہدایہ، کتاب الوکالۃ تک (۸) درمختار، کتاب الزکاۃ تک
(۹) شرح وقایہ ص: ۲۷ تک (۱۰) شرح عقائد، خیالی جزء لایتجزی کے مبحث تک
(۱۱) شرح ملا ص: ۱۲ تک (۱۲) خطبہ قاموس
(۱۳) مقامات حریری ۱۰ مقالہ (۱۴) دیوان متنبی

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۹۰ھ

(۱) بیضاوی شریف یک سپارہ (۲) بخاری شریف، کتاب التفسیر تک
(۳) بخاری شریف دوبارہ، تین سپارہ (۴) صحیح مسلم، کتاب الحج تک
(۵) سنن ابن ماجہ، تا آخر کتاب الصلوۃ (۶) ہدایہ، کتاب البیع سے باب القسامۃ تک
(۷) مشکوۃ شریف، تا کتاب الزکاۃ (۸) توضیح وتلویح، شروع سے مقدمات تک
(۹) مقامات حریری نصف آخر

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۹۱ھ

(۱) جلالین	(۲) بخاری شریف، از کتاب التفسیر تا آخر
(۳) بخاری شریف، دوبارہ شروع سے کتاب الجہاد تک	(۵) جامع ترمذی، قدوری
(۴) سنن ابی داؤد کتاب الخاتم تک	(۷) ابن ماجہ
(۹) ہدایہ جلد ثانی، از کتاب القسامۃ تا آخر	(۸) ہدایہ، کتاب الشفعہ سے آخر تک
(۱۱) شرح عقائد خیالی	(۱۰) توضیح وتلویح، مقدمات اربعہ تک
(۱۳) نفحۃ الیمن	(۱۰) مقامات حریری
(۱۴) دیوان متنبی، ردیف را تک	(۱۱) توضیح وتلویح، دوبارہ شروع سے ص: ۴۵ تک

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۹۲ھ

(۱) بیضاوی سورہ بقرہ	(۲) تفسیر جلالین، ۱۰۹ صفحہ تک
(۳) بخاری شریف، از ص: ۳۹۰ تا آخر	(۴) سنن ابن ماجہ
(۵) ہدایہ جلد ثانی ص: ۱۹۰ تک	(۶) درمختار ص: ۲۳۵/ کنز الدقائق ص: ۳۰ تک
(۷) توضیح وتلویح ص: ۴۶ تک	(۸) شرح عقائد نسفی مع خیالی
(۹) دیوان متنبی ۱۰۵ صفحہ تک	(۱۰) مقامات حریری، ۲۵ مقامہ
(۱۱) سبعہ معلقہ	(۱۲) تمام قصیدہ ہمزیہ
(۱۳) تاریخ یمینی	(۱۴) تاریخ تیموری
(۱۵) جبر ومقابلہ	(۱۶) مساوات درجہ اول

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۹۳ھ

(۱) ترجمہ قرآن شریف تا سورہ قصص (۲) بیضاوی، ۱۵ تک

(۳) جلالین، ص: ۱۱۰ سے آخر تک (۵) ترمذی شریف

(۶) مشکوۃ شریف (۷) دیگر بار ص: ۱۳۴ (۷) ہدایہ جلد اول، ۸۶ صفحہ تک

(۸) شرح وقایہ، جلد اول تمام (۹) دیگر، کتاب العتق سے آخر تک
(۱۰) سوم، ص: ۵۵ تک (۱۱) کنز الدقائق جلد اول
(۱۲) توضیح وتلویح، از ص: ۶۲ تا: ۹۸ (۱۳) شرح عقائد نسفی خیالی، مبحث حقائق الاشیاء تک
(۱۴) مختصر المعانی، ۲۶۰ صفحہ (۱۵) متنبی ۳۸ صفحہ تک۔ دوسری بار/ دوبارہ
ص: ۳۶ سے ۶۵ تک

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۹۴ھ

(۱) قرآن شریف از سورہ قصص تا آخر (۲) بیضاوی شریف، از ص: ۱۶ تا ختم سیپارہ
(۳) جلالین، از ابتدا تا ص: ۱۰۲ (۴) بخاری شریف تمام
(۵) پھر شروع سے ۵۴۶ تک (۶) سنن نسائی
(۷) سنن ابی داؤد آخر تک (۸) موطا امام مالک صفحہ دوسو چالیس تک
(۹) مشکوٰۃ شریف، از ۳۸ تا آخر (۱۰) ہدایہ جلد ثانی، جلد ۲۰۶ تک
(۱۱) شرح وقایہ، ۱۶۰ سے آخر جلد اول (۱۲) توضیح وتلویح
(۱۲) مسلم الثبوت (۱۳) نور الانوار
(۱۴) تاریخ تیموری صفحہ (۸۰) تک (۱۵) مختصر معانی، ص: ۲۶۱ سے آخر تک

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۹۵ھ

(۱) بیضاوی شریف سورہ بقرہ تمام (۲) دوبارہ
(۳) جلالین شریف ۱۰، پارہ (۴) بخاری شریف، تا کتاب التفسیر
(۵) موطا امام مالک (۶) ابن ماجہ شریف
(۷) ہدایہ جلد ثانی، از ۱۲۸ تا آخر کتاب الصوم (۸) در مختار، تا آخر کتاب الصوم
(۹) توضیح وتلویح، تا مقدمات (۱۰) متنبی ۱۰ صفحہ

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۹۶ھ

(۱) ترجمہ قرآن شریف	(۲) بیضاوی شریف، شروع سے ۸۰ تک
(۳) دیگر بار، ۳۰ صفحہ تک	(۴) تفسیر کشاف، ۱۷۰ تک
(۵) جلالین	(۶) بخاری شریف، ۴۰۴ سے اخیر تک
(۷) صحیح مسلم تمام	(۸) ابن ماجہ تمام
(۹) ابوداؤد، تمام	(۱۰) موطا امام مالک، ۱۰۵ تک
(۱۱) مشکوۃ شریف ربع آخر	(۱۲) توضیح وتلویح، ۹۳ صفحہ سے رکن ثانی تک
(۱۳) درمختار، ۳۵۰ تک	(۱۴) ایضا، ۳۵ صفحہ تک
(۱۵) مسلم الثبوت، ۳۶ تک	(۱۶) تاریخ یمنی، ۶۹ صفحہ سے آخر تک
(۱۷) دیوان متنبی، ۱۱۸ صفحہ سے آخر تک	(۱۸) حماسہ تمام
(۱۹) سبعہ معلقہ دوبارہ تمام	(۲۰) قصیدہ ہمزیہ تمام

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۹۷ھ

(۱) ترجمہ قرآن شریف تا سورہ بنی اسرائیل	(۲) تفسیر کشاف، یک سیپارہ
(۳) تفسیر مدارک، تا پارہ تلک الرسل	(۴) بیضاوی، یک پارہ دوبار
(۵) بخاری شریف، تا صفحہ ۲۰۰	(۶) صحیح مسلم
(۷) ابوداؤد شریف	(۸) صحیح مسلم دوبارہ کامل
(۹) ابن ماجہ تمام	(۱۰) نسائی شریف تمام
(۱۱) شمائل ترمذی	(۱۲) ہدایہ جلد اول، تا کتاب السیر
(۱۳) ہدایہ جلد ثانی، از تا کتاب الجنایات	(۱۴) ہدایہ جلد ثانی، از ۵ تا کتاب الجنایات
(۱۵) ایضا تا صفحہ ۱۶۰	(۱۶) تلویح وتوضیح، از ۳۵ مقدمات اربعہ

(۱۷) مطول حسب معمول	(۱۸) سبعہ معلقہ تمام
(۱۹) دیوان متنبی، صفحہ ۹۴ تک	(۲۰) دیوان متنبی، (دوبارہ) ص: ۹۴ تک

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۹۸ھ

(۱) بیضاوی شریف، ۲۶ صفحہ تک	(۲) بخاری شریف تمام
	(۳) بخاری شریف دوبارہ تا ۳۹۵ صفحہ
(۴) بخاری شریف، از کتاب النکاح تا آخر	(۵) بخاری شریف، بار چہارم از جلد ثانی تا ۷۰۸
(۶) صحیح مسلم جلد اول	(۷) ایضا از ۱۷۳ جلد ثانی تا آخر
(۸) نسائی شریف	(۹) سنن ابی داؤد
(۱۰) سنن دارمی	(۱۱) موطا امام مالک، تا کتاب الفرائض
(۱۲) حصن حصین	(۱۳) ہدایہ جلد اول
(۱۴) ہدایہ، دوبارہ از کتاب السیر تا ختم	(۱۵) ہدایہ جلد ثانی، از کتاب الاقرار تا کتاب الشفعہ
(۱۶) ہدایہ دوبارہ ۵۰۸ صفحہ تک	(۱۷) درمختار، تا کتاب الزکاۃ
(۱۸) توضیح وتلویح، ۲۰ صفحہ تک	(۱۹) حسامی
(۲۰) مطول، ۵۰۸ صفحہ تک	(۲۱) شرح عقائد نسفی، معہ خیالی ۳۰ صفحہ
(۲۲) دیوان متنبی ۳۰ صفحہ	

مقدار خواندگی سنہ ۱۲۹۹ھ

(۱) بیضاوی شریف، ۲۶ صفحہ	(۲) بیضاوی شریف۔ دوبارہ، سوا پارہ
(۳) بخاری شریف، تمام تا ۳۹۵	(۴) بخاری شریف دوبارہ
(۵) جلالین تمام	(۶) بخاری شریف تمام
(۷) ایضا از صفحہ ۳۹۶ تا آخر	(۸) ایضا از صفحہ ۸۰۵ تا آخر

(۹) صحیح مسلم تمام	(۱۰) ایضاً جلد ثانی
(۱۱) نسائی شریف تمام	(۱۲) نسائی شریف، دوبارہ تمام
(۱۳) ابوداؤد شریف تمام	(۱۴) ہدایہ جلد اول تمام
(۱۵) ہدایہ جلد ثانی، از ۱۸۰ صفحہ تا آخر	(۱۶) درمختار، تا کتاب الزکاۃ ۸۸ صفحہ
(۱۷) درمختار۔ دوبارہ ص: ۸۸ تک	(۱۸) شرح عقائد نسفی، معہ خیالی از ۳۱ تا آخر
(۱۹) شرح عقائد نسفی، مع خیالی دوبارہ ص: ۴۶ تک	(۲۰) مقامات حریری ۱۰۵ صفحہ
	(۲۱) دیوان متنبی ۸۰ صفحہ

مقدار خواندگی سنہ ۱۳۰۰ھ

(۱) بیضاوی شریف، سواپارہ	(۲) بیضاوی، ایک پارہ
(۳) جلالین، ۱۵۳ صفحہ	(۴) بخاری شریف تمام
(۵) بخاری شریف، ۲۰ پارہ	(۶) بخاری شریف۔ تیسری بار ۱۴۸ صفحہ
(۷) صحیح مسلم، تمام	(۸) ابوداؤد تمام
(۹) ابوداؤد۔ دوبارہ تمام	(۱۰) سنن ابن ماجہ تمام
(۱۱) سنن نسائی تمام	(۱۲) حصن حصین تمام
(۱۳) موطا امام مالک، ۱۸۹ صفحہ	(۱۴) ہدایہ جلد ثانی تمام
(۱۵) درمختار تا کتاب الصوم	(۱۶) درمختار دوبارہ، ۱۰۸ صفحہ تک
(۱۷) توضیح وتلویح، ۷۰ صفحہ تک	(۱۸) نخبۃ الفکر تمام
(۱۹) شرح عقائد نسفی تمام	(۲۰) نفحۃ الیمن، ۲۵۲ صفحہ
(۲۱) دیوان متنبی ۳۲ صفحہ	(۲۲) دیوان متنبی۔ دوبارہ ۳۸ صفحہ

مقدار خواندگی سنہ ۱۳۰۱ھ

(۱) بیضاوی سورہ بقرہ
(۲) جلالین، از ۱۵۳ صفحہ تا آخر
(۳) بخاری شریف، ۴۷۴ صفحہ
(۴) صحیح مسلم جلد اول تمام
(۵) ابوداؤد تمام
(۶) سنن ابوداؤد دوبارہ جلد اول
(۷) موطا امام مالک، ۱۹۸ صفحہ تا آخر
(۸) درمختار، از ۱۰۸ صفحہ تا آخر
(۹) درمختار، دوبارہ از ابتدا تا کتاب البیوع
(۱۰) ہدایہ، جلد اول، تمام
(۱۱) ہدایہ، جلد اول دوبارہ تمام
(۱۲) ایضاً ۱۷۸ صفحہ
(۱۳) توضیح وتلویح تمام
(۱۴) مسلم الثبوت حسب معمول تمام
(۱۵) مقامات حریری ۲۵ مقامہ
(۱۶) دیوان متنبی، تا ردیف دال

مقدار خواندگی سنہ ۱۳۰۲ھ

(۱) بیضاوی پارہ الم
(۲) ایضاً سواپارہ
(۳) تفسیر جلالین، از ۴۰۸ صفحہ تا آخر
(۴) بخاری شریف تمام
(۵) صحیح مسلم جلد ثانی تمام
(۶) ابوداؤد تمام
(۷) ابن ماجہ تمام
(۸) سنن دارمی تمام
(۹) سنن نسائی تمام
(۱۰) نسائی شریف، دوبارہ ۱۱۶ صفحہ تک
(۱۱) ہدایہ جلد اول، تمام
(۱۲) ہدایہ جلد ثانی، تمام
(۱۳) ہدایہ۔ جلد ثانی، از ۱۷۸ تا ۲۹۹ صفحہ
(۱۴) درمختار تا کتاب النکاح
(۱۵) توضیح از ۱۷۴ صفحہ، تا آخر
(۱۶) حسامی تمام
(۱۷) شرح عقائد نسفی، تمام
(۱۸) مطول، ۱۶۰ صفحہ
(۱۹) دیوان حماسہ، تا باب المرثیہ

یہ مقدار خواندگی صرف مظاہر علوم کے اوقات کار یا نظام اسباق کی ہے، اس دور کے علمائے کرام کی یہ کارکردگی حیرت میں ڈالنے والی ہے، اس کو ان انفاس قدسیہ کی برکت کہیے یا کچھ اور، افسوس کہ اب ہمارے نظام میں اس کا ایک تہائی بھی باقی نہیں، وہی مدرسے ہیں وہی صبح وشام کا عموماً چھے گھنٹے کا نظام الاوقات، وہی کتابیں ہیں مگر آج کل یہ شکایت برابر سننے میں آتی ہے کہ مدرسین کرام سے متعلقہ کتابیں پوری نہیں ہوتی، بڑی کتابوں کی بات پھر بڑی ہے، تماشہ یہ ہے کہ آج کل چھوٹی چھوٹی ابتدائی کتابیں بھی ناتمام رہ جاتی ہیں یا ان کا دور کرا کر کتاب ختم کرادی جاتی ہے، جسے یہ بھی برکت کی کوئی چیز تھی کہ طلبہ نے اس کا ورد کرلیا اور کافی ہوگیا۔ یہ جب ہے کہ اکثر مدرسین صاحبان صرف درس کے لئے فارغ ہوتے ہیں اور اسی کی تنخواہ بھی لیتے ہیں۔

حال آں کہ مولانا محمد مظہر صاحب کی یہی ایک مصروفیت نہیں تھی کہ وہ مدرسہ میں درس دیتے تھے۔ مولانا مدرسہ کے اور کاموں کے بھی ذمہ دار تھے، ان کو بھی بہت اہتمام سے انجام دیتے، مدرسہ کے لئے چندہ فراہم کرنے کی بھی کوشش کرتے تھے، مدرسہ سے فارغ اوقات میں، گھر پر بھی پڑھاتے تھے، مولانا کی درس کے علاوہ مصروفیات اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مولانا کا تلاوت قرآن پاک کا کثرت سے معمول تھا، اس کے علاوہ ہمیشہ ذکر اللہ میں مشغول رہتے، زبان ہمیشہ ذکر سے تر رہتی تھی۔ نزہۃ الخواطر میں ہے:

"وکان کثیر القرأۃ للقرآن، دائم الذکر رطب اللسان باسم الذات"(۱)

مراقبہ اور ذکر وفکر اوراد و معمولات سلوک بھی ادا فرمائے، مسلمانوں کے معاملات سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ اگرچہ مولانا کے اولاد نہیں تھی مگر اہلیہ محترمہ تھیں، دو نکاح کئے تھے، اس لئے گھر کی مصروفیات اور گھرستی کے معاملات سے بھی سابقہ رہتا ہوگا، اس پر بھی اپنی بے عمل کا احساس، اور ایک آج ہمارا دور ہے" وائے فردائے گر پس امروز بود فردائے"

(۱) نزھۃ الخواطر (حیدرآباد: ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) ملاحظہ فرمایئے: ص: ۴۵۵ جلد ۸۔

مدرسہ سے تنخواہ اور اس میں اضافہ مولانا محمد مظہر مدرسہ کی ہر قسم کی خدمت کے لئے ہمہ تن حاضر، ہر قسم کی چھوٹی بڑی تمام کتابیں ہمہ وقت پڑھانے کے لئے موجود و مستعد، اور مدرسہ کی نگرانی اور ترقی کے لئے دن رات جان گداز مصروفیت کو مقصد حیات بنائے ہوئے تھے۔ یہ خدمت اور ڈیوٹی تنخواہ یا صلہ کی لالچ میں اور کسی جاہ و منصب کی تمنا میں نہیں تھی، جو کچھ تھا صرف اللہ تعالی کی رضا، آخرت کے درجات کی تمنا ثواب و نجات کے لئے تھا۔

مولانا مدرسہ کی جو خدمات انجام دیتے تھے، ان کے لئے سو روپے ماہانہ تنخواہ بھی معمولی ہی کہی جا سکتی تھی۔ مولانا جب مدرسہ میں ملازم ہوئے اس وقت صرف تیس روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی تھی، چوں کہ مولانا مدرسہ کے لئے ہر قسم کے تمام معاملات اور خدمت کو نہایت اخلاص اور توجہ سے انجام دیتے تھے، جس سے اصحاب مدرسہ بہت مطمئن بھی تھے اور مسرور بھی، اس لئے اظہار ممنونیت کے طور پر مولانا کی تنخواہ میں دو روپے ماہانہ یا چوبیس روپے سالانہ کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔ مدرسہ کی روداد میں لکھا ہے:

''مدرس اول صاحب کی کاروائی سے صاف ظاہر ہے کہ صاحب موصوف نے سوائے کار عہدہ کے بہت انتظام ذمہ اپنے لئے رکھے تھے، جن کی نسبت یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ اگر وے کام بے توجہ رہیں، تو مدرسہ میں ایک طرح کا خلل نمایاں نظر آنے لگے۔

اس وقت میں بقایائے زر چندہ جو تاریخ امروزہ میں بعد منہائی مصارف سال ہذاہ موجود ہے، اس امر پر آمادہ کرتی ہے کہ کچھ اضافہ صاحب ممدوح [مدرس اول] کا کیا جاوے، لہذا دو روپے ماہواری کا اضافہ مناسب ہے۔ واجب ایک سال کا چوبیس روپے ہونے چاہئیں۔(۱)

(۱) کیفیت [روداد] مدرسہ عربی، بابت سنہ ۱۲۸۷ھ ص: ۳۔ (مطبع صدیقی، بریلی ۱۲۸۸ھ)

اگرچہ مولانا کی مدرسہ کے لئے خدمت اور توجہ روز افزوں تھی، مگر یہ اضافہ دیرپا ثابت نہیں ہوا، سنہ ۱۲۹۵ میں پیسہ کی کمی ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے گذشتہ سال میں مدرسین کی تنخواہوں میں جو اضافے کئے گئے تھے ان پر نظرثانی کی گئی، بلکہ وہ سب ہی واپس لے لئے گئے تھے، اس لئے ۱۲۹۵ھ میں حضرت مولانا کی تنخواہ کم ہوکر دوبارہ تیس روپے ماہانہ ہوگئی تھی، لیکن دوسال بعد ۱۲۹۸ھ میں دوبارہ دو روپے ماہانہ کا اضافہ ہوا، اٹھارہ سال کی لمبی ملازمت میں کل یہی دو روپیہ کا اضافہ ہوا۔

وضع تنخواہ اس معمولی تنخواہ میں سے بھی رخصت کی تنخواہ وضع ہوتی تھی، مدرسہ کی روداد وں میں مولانا محمد مظہر کی متعدد رخصتوں کا تذکرہ ہے، سنہ ۱۲۹۴ھ (اکتوبر ۱۸۷۷ء) سفر حج کے لئے چھ مہینہ کی رخصت لی، ۱۲۸۸ھ میں درد گردہ میں مبتلا ہوگئے، جس کی وجہ سے دو مہینہ کی رخصت لی، ان دو مہینوں میں سے ایک مہینہ میں مولانا امیر باز خاں سہارنپوری نے مولانا کے نمائندہ یا عوض دار کی حیثیت سے کام کیا، جس کی وجہ سے یہ تنخواہ مولانا امیر باز خاں کو ملی، دوسرے مہینہ میں مولانا امیر باز خاں چلے گئے تھے، لہٰذا مولانا محمد مظہر کی ایک مہینہ کی تنخواہ وضع کی گئی۔

ایک مرتبہ کسی عزیز کی شادی کی ذمہ داریوں کی مصروفیت کی ضرورت سے ایک مہینہ کی رخصت لی تھی، اس کی بھی تنخواہ وضع کی گئی، تنخواہوں کی رفتار بہت کی کم تھی ایسی کہ جس کو اضافہ کہنا یا حسن کارکردگی پر ترقی قرار دینا مشکل ہی تھا، اور اس ترقی پر بھی کبھی کبھی کٹوتی ہوجاتی تھی، مگر حضرت مولانا کا مدرسہ سے رشتۂ خلوص کچھ ایسا مستحکم تھا کہ اس کی وجہ سے مولانا کی مدرسہ سے نسبت اور خدمت کا جذبہ کبھی کمزور نہیں ہوا۔ جس سال مدرسہ سے رخصت لی اور اس کی تنخواہ وضع ہوئی، اس سال بھی مولانا کی کارکردگی کی تعریف ہوئی، مولانا نے اس طرح پڑھایا کہ اپنی غیر موجودگی میں اسباق کا جو حرج ہوا تھا، اس کی گویا تلافی کردی۔

مدرسہ کی اعلیٰ درجہ کی خدمت کے باوجود مدرسہ کے اوقات میں احتیاط کا بے نظیر معمول

مدرسہ سے اس گہرے رابطہ اور ہر وقت مدرسہ کی خدمت میں مشغولیت، اور اس کی ہر ایک ذمہ داری کو پوری جانفشانی اور نہایت دل جمعی سے انجام دینے کے ساتھ، مدرسہ کے اوقات میں احتیاط کا یہ حال تھا کہ اس کی مثال ڈھونڈنا بھی آسان نہیں۔

مولانا مدرسہ کے اوقات میں اپنے پاس کاغذ پنسل اور کاغذ رکھا کرتے تھے، اگر مدرسہ کے وقت میں کوئی شخص مولانا سے ملنے آ گیا، یا کسی ذاتی کام میں چند لمحے صرف کرنے پڑے تو فوراً اس کی یادداشت لکھ لیتے، اور ایسے تمام پرچوں کو احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھتے، ان کے مجموعی وقت کا حساب لگا کر مہینہ کے اختتام پر اس وقت کو اپنے حاضری کے اوقات میں سے کم کرا دیا کرتے تھے، اور اس کی تنخواہ کٹوا لیتے تھے۔ مولانا کے اس معمول کا ذکر کرتے ہوئے، شیخ الحدیث حضرتؒ مولانا محمد زکریا نے لکھا ہے:

"حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ جو گویا مظاہر علوم کے بانی ہیں، کا یہ معمول میری جوانی میں عام طور سے مشہور اور لوگوں کو معلوم تھا، کہ مدرسہ کے اوقات میں جب کوئی مولانا قدس سرہ کا ذاتی ملاقات کے لئے آتا، تو اس سے باتیں شروع کرتے وقت گھڑی دیکھ لیتے، اور [اس کی] واپسی پر گھڑی دیکھ کر، حضرت کی کتاب میں ایک پرچہ رکھا رہتا تھا، اس پر تاریخ وار ان منٹوں کا اندراج فرما لیتے تھے، اور ماہ کے ختم پر ان کو جمع فرما کر، اگر نصف یوم سے کم [ہو] تو آدھے روز کی رخصت اور اگر نصف یوم سے زائد ہوتا تو ایک یوم کی رخصت مدرسہ میں لکھوا دیتے"۔(۱)

(۱) آپ بیتی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا۔ ضمیمہ حصہ اول ص: ۲۱-۲۲، مولانا کا یہ واقعہ آپ بیتی کے تیسرے اور پانچویں حصہ میں بھی درج ہے۔

مولانا کے اس معمول کو حضرت حاجی امداد اللہ کا پسند فرمانا اور علماء کو اس پر عمل کی ہدایت مولانا محمد مظہر صاحب کے اس طرز عمل کو حضرت حاجی امداد اللہ بہت پسند فرماتے تھے، اور چاہتے تھے کہ اہل مدارس اور علماء کرام خصوصاً دارالعلوم دیوبند کے حضرات بھی اس کو نمونہ بنائیں، اور اسی طریقے پر عمل کریں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی وفات کے بعد مولانا محمد یعقوب نانوتوی کو ایک پردرد خط لکھا تھا، جس میں یہ ہدایت بھی تھی کہ "چند ایک باتیں اپنی ذات پر لازم واجب مانو" ان میں سے ایک ضروری بات یہ تھی کہ:

"اگر کسی روز اپنی ذاتی غرض سے مدرسہ کے کام نہ کرسکیں، تو مدرسہ سے تنخواہ نہ لیں، جیسے مولوی محمد مظہر صاحب کرتے ہیں" (۱)

مولانا کے اخلاص کا اثر مولانا کے اس اخلاص کا اثر مدرسہ کے تمام معاملات میں اثر انداز اور کارفرما تھا، بعض معاملات ایسے پیش آتے تھے کہ ان کو مولانا کے خلوص کی برکت یا کرامت کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، مولانا کا ایک دلچسپ مگر قابل قدر اور اہم قصہ سنایا کرتے تھے کہ:

"مولانا ایک مرتبہ اپنی قیام گاہ سے مدرسہ مظاہر علوم تشریف لا رہے تھے، راستہ میں آپ کی ایک اشرفی گر گئی، شام کو جب واپس ہوئے تو راستہ میں پڑی ہوئی تھی اٹھالیا، فوراً ایک شخص اپنے مکان کے اوپر سے اتر کر نیچے آپ کے پاس آیا اور پوچھا کیا ہے: آپ نے بتلا دیا کہ "میری اشرفی تھی جو صبح گر گئی تھی" کہنے لگا میں صبح ہی سے اوپر سے اس

(۱) مکتوب از مکہ مکرمہ۔ مکتوبات اکابر دیوبند، مرتبہ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی ص: ۳۴۔ (دیوبند: ۱۹۸۰ء)

کو دیکھ رہا ہوں، لیکن جب نیچے آتا ہوں تو نظر ہی نہیں آئی اور دیگر رہ گزروں کو بھی نظر نہ آتی، اس پر ارشاد فرمایا: جب تیری تھی ہی نہیں تو نظر کیسے آتی"۔(۱)

مدرسہ کا سالانہ مالی تعاون مولانا مظاہر علوم کی درسی تعلیمی انتظامی امور میں ہر وقت مشغولیت کے علاوہ، مدرسہ کے مالی تعاون میں بھی بڑا انہماک اور دلچسپی رکھتے تھے، شہر سہارنپور اور نانوتہ سے مدرسہ کی امداد کے لئے بطور خاص کوشش کرتے۔ مدرسہ کی رودادوں میں مولانا کے ذریعہ وصول رقومات کا بار بار ذکر آیا ہے، مدرسہ کی تعمیر کے لئے مولانا کے چندہ کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، اور نانوتہ وغیرہ سے مولانا کی معرفت وصول امداد کا بھی اندراج ہے۔ مولانا اوروں کے چندہ کے علاوہ خود بھی مدرسہ کی ہر طرح کی مدد فرماتے تھے۔ کتابوں کے عطیہ کے ذریعہ بھی، اور مالی مدد سے بھی، آخر میں مولانا مدرسہ کا تین روپئے سالانہ تعاون فرماتے تھے، اور مولانا کے جو اپنے ذرائع تھے ان کو بھی مدرسہ کی امداد کے لئے متوجہ فرماتے رہتے تھے۔

مدرسہ میں آنے سے پہلے مولانا مطبع منشی نول کشور میں ملازم تھے، منشی نول کشور مولانا کا بہت احترام کرتے تھے، مولانا کے لکھنؤ سے واپس آجانے کے بعد بھی منشی جی سے روابط استوار رہے، منشی جی مولانا سے نسبت کی وجہ سے مولانا مظاہر علوم کی مدد کیا کرتے تھے، مدرسہ کی پہلی عمارت کے چندہ میں مولانا محمد مظہر کے ذریعہ، منشی جی کا بڑا چندہ دو سو چوالیس روپئے آیا تھا(۲)

(۱) ملفوظات فقیہ الامت مرتبہ مولانا مسعود احمد۔ ص:۹۵ (دیوبند:۱۴۰۶ھ)

(۲) روداد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سنہ ۱۲۹۷ھ ص:۲

دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی عمارت، نودرہ کا سنگ بنیاد رکھنے والوں میں شامل تھے

مولانا اگرچہ ہمہ تن مظاہر علوم کی خدمت میں مشغول رہتے تھے، لیکن اور دینی کاموں اور ذمہ داریوں سے بھی غیر متعلق اور بے خبر نہیں تھے۔ مظاہر علوم قائم ہونے سے چھ مہینہ پہلے دیوبند میں مدرسہ اسلامیہ (دارالعلوم) قائم ہو چکا تھا، مولانا مدرسہ دیوبند کے قیام کے اول دن سے اس کے نہایت معاون اور مددگار رہے، مدرسہ دیوبند کے ذمہ داران اور اکابر بھی حضرت مولانا کے قدر دان اور منزلت آشنا تھے۔ جب دارالعلوم کی سب سے پہلی عمارت، نودرہ کا سنگ بنیاد رکھنے کی بات طے ہوئی، تو سنگ بنیاد رکھنے کے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے درخواست کی گئی تھی، جو اکثر علمائے مظاہر علوم و دارالعلوم دیوبند کے استاد تھے، مولانا محمد مظہر صاحب کو بھی بطور خاص مدعو کیا گیا تھا، جن حضرات نے نودرہ بنیاد کی سب سے پہلی اینٹیں رکھیں، ان میں مولانا محمد مظہر بھی شامل تھے۔ روداد دارالعلوم میں ان حضرات کے ناموں کی اس طرح صراحت ہے:

> "اول پتھر بنیاد کا، جناب مولانا مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری نے اپنے دست مبارک سے رکھا، بعد میں جناب مولوی محمد قاسم صاحب و مولانا مولوی رشید احمد صاحب، و مولانا مولوی محمد مظہر صاحب نے ایک ایک اینٹ رکھی۔ (۱)

مولانا محمد مظہر کا دارالعلوم دیوبند سے مالی تعاون

اگرچہ مولانا محمد مظہر کی تنخواہ زیادہ نہیں تھی مگر مولانا کا حوصلہ بہت بڑا تھا، نیک کاموں میں بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے تھے اور دینی کام کرنے والوں کی مدد فرماتے تھے، مولانا نے مدرسہ دیوبند کے قیام کے فوراً بعد اسی وقت سے مدرسہ کے لئے بارہ روپئے سالانہ امداد کا وعدہ کر لیا تھا، جو کئی سال تک ادا کرتے رہے۔ (۲)

(۱) کیفیت [روداد] مدرسہ عربی [دارالعلوم] دیوبند۔ سنہ ۱۲۹۲ھ ص: ۱۰ (طبع اول)

(۲) دارالعلوم کی روداد میں اس کا سال بہ سال تذکرہ ہے۔

دارالعلوم کے امتحانات اور جلسوں میں شرکت کا اہتمام

دارالعلوم دیوبند کو مولانا کے مالی تعاون کے علاوہ علمی عملی تعاون بھی حاصل رہتا تھا، مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں جاتے، مدرسہ کے سالانہ امتحانات کے لئے مدعو کئے جاتے، اور مدرسہ کے تمام معاملات سے دلی وابستگی اور نسبت رکھتے تھے۔ سنہ ۱۲۸۵ھ میں مدرسہ دیوبند کی تقسیم انعام کا جلسہ ہوا، جس میں مولانا بھی شریک ہوئے، مدرسہ کی روداد میں مولانا کی تشریف آوری کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ تحریر ہے:

> ''۲۲رذی الحجہ جمعہ ۱۲۸۵ھ تقسیم انعام کے لئے قرار پائی، اس روز منشی ممتاز علی صاحب مالک و مہتمم مطبع مجتبائی دہلی، و مولوی محمد مظہر صاحب مدرس اعلی مدرسہ عربی سہارنپور، و دیگر حضرات نواح دیوبند وغیرہ، صرف بغرض شریک ہونے جلسہ تقسیم انعام کے لئے تشریف لائے''۔(۱)

مولانا محمد مظہر کو دارالعلوم میں لانے کی تجویز

مولانا محمد یعقوب نانوتوی، دارالعلوم کے صدر مدرس تھے، مولانا کی یکم ربیع الاول ۱۳۰۲ھ (۱۹ردسمبر سنہ ۱۸۸۴ء) کی رات میں وفات ہوگئی تھی، مولانا کی وفات سے دارالعلوم میں ایک سناٹا چھا گیا، بہ ظاہر کوئی آدمی ایسا نہیں تھا جو علم و مرتبہ میں مولانا کا ثانی ہو اور مدرسہ کے نظام اور تعلیم و تدریس کو سلیقہ اور ذمہ داری کے ساتھ سنبھالنے اور نباہ لے۔ اس وقت دیوبند کے اصحاب کی رائے یہ ہوئی کہ مولانا محمد مظہر صاحب کو مولانا محمد یعقوب کی جگہ لایا جائے، لیکن حضرت گنگوہی اس رائے کے ہم نوا نہیں تھے، حضرت مولانا کا فرمانا یہ تھا کہ اس سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا نقصان ہوگا۔ حضرت مولانا گنگوہی کے ایک متوسل منشی رفاقت علی دیوبندی نے دیوبند سے حضرت کو اس سلسلہ میں ایک خط لکھا تھا، حضرت کے جوابی کلمات ملاحظہ ہوں:

(۱) روداد مدرسہ [دارالعلوم] دیوبند۔ سنہ ۱۲۸۵ھ ص: ۷

''مولوی محمد مظہر صاحب کو بعض اہل مدرسہ بلانا چاہتے ہیں اور بعض کو تامل کہ سہارنپور کا حرج ہو جاوے گا، دونوں مدرسہ اپنے ہی ہیں۔ نہ معلوم کیا انجام ہو ویگا''۔(۱)

حضرت مولانا گنگوہی کا یہ فرمانا غالباً کسی پیش بینی پر مبنی تھا، کیوں کہ مولانا محمد مظہر اس کے بعد دیر تک حیات نہ رہے، چند مہینوں کے بعد اسی سال ذی الحجہ میں مولانا محمد مظہر بھی واصل بہ حق ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے اجازت وخلافت

مولانا محمد مظہر صاحب اگرچہ عمر میں حضرت مولانا گنگوہی سے خاصے بڑے تھے، لیکن حضرت مولانا کے کمالات کی وجہ سے حضرت مولانا کے نہایت معترف تھے، اور حضرت مولانا گنگوہی کے ساتھ اپنے بزرگوں جیسا معاملہ فرماتے تھے۔ مولانا محمد مظہر حضرت مولانا گنگوہی سے آخر میں بیعت ہو گئے تھے، اہتمام سے گنگوہ جاتے اور ذکر وشغل کرتے، کئی مرتبہ رمضان المبارک بھی گنگوہ میں گذرا اور تعلق مع اللہ کی ترقی کے لئے مشغول رہے۔ حضرت مولانا گنگوہی بھی حضرت موصوف کا نہایت احترام کرتے اور مولانا اس کے عمل اور کوشش سے نہایت خوش تھے۔ ایک مرتبہ جب مولانا گنگوہ میں رمضان گزار کر گئے تو حضرت مولانا گنگوہی نے حضرت حاجی امداد اللہ کو لکھا تھا کہ:

''مولوی محمد مظہر صاحب بماہ رمضان در گنگوہ قیام فرمودند بفضل الٰہی از نسبت حضور گونہ حاصل شال شدہ، مگر چوں کہ شغل مدرسہ بسیار دارند دراں ترقی نیست۔

(۱) مجموعہ مکتوبات حضرت حاجی امداد اللہ وحضرت مولانا گنگوہی'' وغیرہ۔ بنام منشی رفاقت علی۔ مرتبہ ومکتوبہ منشی رفاقت علی ...... ص:۶/مملوکہ راقم سطور۔

خودمی فرمایند کہ اگر ذکر بکثرت میسر می آید ترقی معلوم می شود، مگر چوں کہ بدون ذکر کثیر در دل نمی کشاید مجبوری است۔ مگر بہ برکت حضرت مخدوم باوجود قلت شغل از اصل نسبت حرمان نیست۔" (۱)

"ترجمہ مولوی محمد مظہر صاحب نے رمضان المبارک میں گنگوہ میں قیام فرمایا تھا، بفضل الٰہی نسبت حضور سے کچھ ان کو حاصل ہوگیا ہے، مگر چوں کہ مدرسہ کی مصروفیات بہت زیادہ ہیں اس میں ترقی نہیں ہے، خود فرماتے تھے کہ اگر کثرت سے ذکر میسر آجائے تو ترقی معلوم ہوتی ہے۔ مگر بغیر کثرت ذکر کے دل کا دروازہ نہیں کھلتا، اس لئے مجبوری ہے، مگر حضرت مخدوم کی برکت سے قلت شغل کے باوجود اصل نسبت سے محرومی نہیں۔"

مگر اس کے بعد کسی وقت مولانا کو خلافت واجازت عنایت فرمائی تھی مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے حضرت مولانا گنگوہی کے ایسے خلفاء کی فہرست میں، جن کی حضرت مولانا کی حیات میں وفات ہوگئی تھی، مولانا محمد مظہر کا نام لکھا ہے۔ (۲)

ہیبت اور شان فاروقی | مولانا کو ایک ہیبت عطا ہوئی تھی، ہر اک کو مولانا کے سامنے بولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے لکھا ہے کہ مولانا نسب کے لحاظ سے صدیقی اور مزاجاً فاروقی تھے:

"یقال فی شانه انه صدیقی نسبا وفاروقی خلقا" (۳)

بے تکلف سادہ طبیعت | مولانا محمد مظہر تکلفات اور فضول رسوم وزائد سے آزاد، سادہ و بے تکلف زندگی گذارتے تھے، مولانا کے زمانہ میں بعض باتیں معاشرہ میں ایسی

(۱) مجموعہ مکتوبات (مولانا گنگوہی و حضرت حاجی امداد اللہ) غیر مطبوعہ مکتوب: ۲ فوٹو اسٹیٹ مملوکہ راقم سطور
(۲) تذکرۃ الرشید ص: جلد اول
(۳) مقدمہ اوجز المسالک ص: ۴۳

رائج تھیں کہ ان کی پابندی ضروری سمجھی جاتی تھی، لیکن حضرت مولانا ان کا بہت اہتمام نہیں کرتے تھے۔ اس دور کا ایک اہم رواج یہ بھی تھا کہ ادنی درجہ کے ملازم یا کام کرنے والے، ذمہ دار اور معزز اصحاب کے سرہانے بیٹھنا بہت بڑا سخت عیب سمجھتے تھے، اگر کوئی ایسا کر لیتا تو وہ اپنے ماحول میں نکو بن جاتا تھا، مگر حضرت مولانا اس کا کچھ خیال نہیں فرماتے تھے۔

مولانا کا ایک ایسا واقعہ جس سے مولانا کے مزاج کی سادگی اور بے تکلفی کا اندازہ ہوتا ہے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے ایک وعظ میں ذکر فرمایا تھا کہ:

> "حجام خط بنانے کو آیا مولانا اس وقت چارپائی پر پائینتی کی طرف بیٹھے ہوئے تھے، مولانا نے سرہانے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا بھائی بیٹھ جاؤ، اس نے (مولانا کے) سرہانے بیٹھنے سے انکار کر دیا، تو مولانا نے فرمایا تو تو کھڑا ہے، تیرے ساتھ سب جگہوں کو برابر نسبت ہے، پھر تو خالی جگہ [کیوں] نہیں بیٹھتا، میں بیٹھا ہوا ہوں، مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں بیٹھا ہوا اٹھوں...... حجام نے عرض کیا مجھ سے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ سرہانے بیٹھوں...... مولانا نے فرمایا پھر بھائی جب تو مجھے سرہانے بیٹھے دیکھے اس وقت آکر خط بنا دینا، آخر کار لوگوں نے کہا بھائی تو حجامت بنا بھی دے، یہ تو اٹھیں گے نہیں! (۱)

زیارت حرمین کے لئے حاضری تمام مخلص مسلمانوں اور ارباب ذوق وعرفان کی طرح حضرت مولانا محمد مظہر کو زیارت حرمین شریفین کا نہایت شوق اور اہتمام تھا، محدود

(۱) وعظ اوج قنوج [سلسلہ مواعظ التبلیغ] ص:۸۶ [مطبوعہ دیوبند]

وسائل اور اس زمانہ میں سفر کی مشکلات کے باوجود، مولانا کم سے کم تین مرتبہ حج وزیارات کے لئے حاضر ہوئے، جس میں پہلے سفر کے لئے اپنی سب سے پہلی ملازمت (بنارس) سے گویا مستعفی ہوکر حاضر ہوئے تھے، بعد کے دو سفر اور معلوم ہیں، تینوں کا مختصر ذکر کیا جارہا ہے۔

پہلا سفر حج سنہ (۱۲۶۲) مولانا کی بنارس کی ملازمت کے ذیل میں ذکر آچکا ہے کہ مولانا کالج میں چار سال ملازمت کے بعد ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۷ء) میں سفر حج کے لئے گئے، دو سال میں سفر کی تکمیل کی توقع تھی، اپنے مدرسہ (کالج) سے اسی قدر چھٹی لیکر گئے تھے، جاتے وقت منصوبہ تھا کہ ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۹ء) کے آخر تک واپسی ہوجائے گی، مگر کس وجہ سے دیر لگی اور مقررہ وقت سے تقریباً ایک سال بعد، غالباً ذی الحجہ سنہ ۱۲۶۵ھ (اکتوبر ۱۸۵۰ء) میں دہلی واپسی ہوئی۔ مولانا کے اس سفر حج کا مولانا کے معلوم حالات میں ذکر نہیں آتا، اس کا مولانا محمد مظہر اور حضرت مولانا مملوک العلی کے چند نادر مکتوبات سے سراغ ملا ہے، جو حال میں دریافت ہوئے ہیں۔ تفصیلات گذر چکی ہیں۔

دوسرا سفر حج نانوتہ اور اس کے اطراف کے قصبات اور علاقہ کے علماء کی ایک خاصی بڑی جماعت وہ تھی جس نے سنہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف عملی جدوجہد میں سرگرم حصہ لیا تھا، جب تحریک ناکام ہوگئی اور انگریزوں کا دوبارہ قوت وشوکت کے ساتھ تسلط ہوگیا، اس وقت ان لوگوں کے لئے زمین گویا تنگ ہوگئی تھی، جو اس تحریک میں شامل، اس کے معاون یا ہمدرد تھے۔ ایسے افراد میں سے جو حکومت کے ہاتھ آئے ان کو سخت سزائیں دی گئیں، پھانسیوں پر چڑھائے گئے، گولیوں سے اڑائے گئے، کسی کو عمر قید کی سزا ہوئی اور کسی کو عبور دریائے شور (کالے پانی) کی۔ ایسے جو افراد مختلف

مقامات پر زندہ رہ گئے تھے انہوں نے چار پانچ سال کا لمبا عرصہ سخت پریشانی، نہایت کس میرسی اور روپوشی میں گزارا، کبھی یہاں رہتے، کبھی وہاں! پولیس، سرکاری حکام، ان کے مخبروں بلکہ اپنے جاننے والوں، عزیزوں رشتہ داروں سے بھی چھپتے پھرتے تھے، کہ اگر کسی نے کسی افسر کو خبر دیدی تو جان کی خیر نہیں، ادھر پتہ چلا ادھر چھاپہ پڑا۔

جب سہارنپور و مظفر نگر اوران کے علاقوں سے وابستہ مجاہدین حریت کے تین سال اسی کیفیت میں تین سال گذر گئے، تو کسی نیک بندہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس طرح یہاں سے وہاں، چھپے چھپے پھرنے سے کہیں اچھا یہ ہے کہ حج کا ارادہ کرلیا جائے، اور حرمین شریفین کے بابرکت اور نورانی ماحول میں کچھ وقت گذار لیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس دوران حالات کی گرفت بھی کچھ کمزور پڑ جائے، کم سے کم اتنا وقت عافیت ورحمت میں گزر جائے گا۔ یہ خیال سامنے آیا تو متعدد علمائے کرام نے اس کی تحسین کی، اور خود بھی اس قافلہ میں شامل ہونے کا ارادہ کرلیا، آہستہ آہستہ بہت سے افراد ہوگئے۔

اس قافلہ کی جمادی الاول ۱۲۷۷ھ (نومبر ۱۸۶۰ء) میں روانگی طے ہوئی، تمام شرکائے سفر اجتماعی یا انفرادی طریقہ پر، اپنے اپنے علاقوں اور روپوشی کے مقامات سے نکل کھڑے ہوئے، راستہ متفرق سواریوں کے ذریعہ طے کیا گیا، بیل گاڑی، شکرم، کشتی ہر ایک سے جیسا موقع ہوا سفر کیا گیا۔ انبالہ سے دریا کا راستہ اختیار کیا، پنجاب سے دریا کے راستہ سندھ میں داخل ہوئے، ۱۳ رشعبان ۲۴ فروری کو کراچی بندرگاہ پہنچے، ۱۵ رذی قعدہ/ ۲۶ مئی ۱۸۶۱ء کو بندرگاہ لیس سے اترے، جو کشتیوں اور دریا کے سفر کا اختتام تھا، ۲۳ رذی قعدہ کو مکہ معظمہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، اور حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی کی خدمت میں پہونچے۔

واپسی کی تفصیلات معلوم نہیں، اگرچہ مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے سفرنامہ حج میں مولانا کا تذکرہ نہیں لیکن تمام اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ مولانا محمد مظہر اس سفر میں شریک تھے۔

تیسرا اور آخری حج

تیسرا اور آخری حج سنہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) میں ہوا، یہ وہ سنہ ہے جس میں ترکی اور روس کی جنگ چل رہی تھی، فطری طور پر سب مسلمان ترکی کے ہم نوا تھے، علمائے ہند کا ایک بڑا اور موثر طاقت ور مرکز ضلع سہارنپور میں بھی تھا اس خطہ کے علمائے کرام نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سفر حج کی منصوبہ بندی فرمائی۔ مقاصد سفر میں یہ ارادہ بھی شامل تھا، کہ اگر حالات مساعد ہوئے اور جانے کا راستہ ملا تو ان شاء اللہ یہ قافلۂ حجاج، خصوصاً اس کے رہنما، روس کے خلاف جنگ میں ترکی کی فوج، بلکہ اسلام کی فوج کے شانہ بہ شانہ جہاد، اور اعدائے اسلام کے خلاف جدوجہد میں حصہ لیں گے، اور قربانیاں پیش کریں گے۔

حضرت مولانا گنگوہی نے اپنے ارادہ حج کا عمومی تذکرہ فرمادیا، حضرت مولانا کے اس خیال کی اطلاع ملتے ہی ہر طرف اس کا تذکرہ گونج گیا، بہت سے علماء اور اہل درد نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے حج کا ارادہ کرلیا۔ اس کاروانِ اہل دل میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا رفیع الدین (مہتمم دارالعلوم دیوبند) مولانا محمود حسن (شیخ الہند) مولانا سخاوت علی انبیٹھوی، مولانا حکیم محمد حسن، مولانا منیر نانوتوی، مولانا عبدالعدل پھلتی، مولانا احمد حسن بٹالوی ثم کانپوری، (مدرس دوم مظاہر علوم) وغیرہ بھی شامل تھے، اور بھی بہت سے خواص وعوام شریک سفر ہوئے۔ کل سو سے زائد افراد تھے (۱)

(۱) تذکرۃ الرشید۔ ص: ۲۳۰۔ حصہ اول۔ عکس طبع اول۔

مولانا محمد مظہر صاحب کو جب اس کی اطلاع ملی تو مولانا نے بھی اس کی رفاقت کی کوشش کی، اس مقصد کے لئے مدرسہ سے چھ مہینہ کی چھٹی لی، مدرسہ کے معاشی حالات بہتر نہ ہونے کیوجہ سے یہ چھٹی معمول کے خلاف، بلاتنخواہ کے منظور کی گئی۔ روداد میں لکھا ہے:

"مولوی محمد مظہر مدرس اول، و مولوی احمد حسن مدرس دوم، مولوی عنایت الٰہی محرر مدرسہ، پیر محمد خاں معاون نے واسطے سفر حج بیت اللہ کے وزیارت حرمین شریفین کے شروع شوال سے چھ مہینہ کی رخصت طلب کی، چناں چہ ان کو بموجب ان کی درخواست کے رخصت مطلوب عطا کی گئی، وباقتضائے وقت وکمی حصول زر چندہ، تنخواہ ایام رخصت نہیں دی گئی" (۱)

جیسا کہ ذکر ہوا، یہ رخصت یکم شوال سے لی گئی تھی، ۷/شوال ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) کو اس قافلہ کے افراد اپنی اپنی جگہوں سے روانہ ہونے شروع ہو گئے تھے، جو حضرات، حضرت مولانا گنگوہی کی امارت وقیادت میں رہنا چاہتے تھے، ان کا کارواں ۱۲/شوال کو سہارنپور اسٹیشن سے بمبئی جانے کے لئے ریل پر سوار ہوا، اس زمانہ میں سہارنپور سے بمبئی کا سفر تین مرحلوں میں پورا ہوتا تھا، غازی آباد سے الہ آباد کا سفر ہوتا تھا، الہ آباد سے جبل پور جاتے تھے، جبل پور سے بمبئی کی مسافت طے ہوتی، اسی ترتیب کے مطابق یہ سفر بھی ہوا۔

مولانا محمد مظہر کے برادر نسبتی، منشی محمد نذیر اٹاوہ میں تحصیلدار تھے، جب انہیں یہ خبر ملی کہ ہمارے اطراف اور خاندان کے علماء اور اکابر کا ایک بڑا قافلہ اٹاوہ سے گذر کر حج کے لئے بمبئی جا رہا ہے، تو انہوں نے سفر سے پہلے ہی مولانا محمد مظہر صاحب سے یہ طے کر لیا تھا کہ پورا قافلہ اٹاوہ اترے، منشی جی کا مہمان ہو، اور ایک رات ٹھہر کر آگے کا سفر کرے۔

(۱) کیفیت [روداد] مدرسہ مظاہر علوم، سنہ ۱۲۹۵ھ ص:۳۰ (مطبع عزیزی کان پور)

پروگرام کے مطابق قافلہ اٹاوہ پہنچا، پہلے سے یہ ارادہ تھا کہ حضرت مولانا گنگوہی اور مولانا محمد مظہر وغیرہ اکابر اور منشی نذیر صاحب کے واقفین اور متعلقین اٹاوہ پر اتر جائیں گے، باقی ساتھیوں کا سفر جاری رہے گا، مگر جب اس نظام سفر کی، اٹاوہ کے ایک مخیّر اور دولت مند شخص، منشی ممتاز علی کو خبر ملی، وہ اپنا ایک سفر چھوڑ کر اٹاوہ واپس آئے، اور سینکڑوں رفقاء کے ساتھ ان سب کا اٹاوہ کے اسٹیشن پر استقبال کیا، منشی ممتاز علی کا اصرار ہوا کہ سبھی احباب اتریں، ٹکٹ کی کمی زیادتی کا معاملہ میں خود ہی دیکھ لوں گا، دونوں کے اصرار پر پورا قافلہ اٹاوہ اتر گیا، اور دونوں کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہو کر بمبئی کے لئے آگے بڑھا، وہاں سے الہ آباد ہوتے ہوئے بمبئی پہنچا، بمبئی میں بیس دن تک قیام رہا۔

بیس دن کے بعد غالباً یکم ذی قعدہ (٧/نومبر) کو جہاز سے روانہ ہو کر تیرہ دن میں جدہ پہونچا۔ جب یہ قافلہ جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچا تو مبارک ومقدس شہر سے باہر، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب حاجیوں کی پذیرائی کے لئے بذات خود موجود تھے، حاجی صاحب نے ہر ایک کا استقبال کیا، معانقہ فرمایا اور ہر ایک کو اپنے مکان پر قیام اور ایک وقت کے کھانے کے لئے مدعو کیا۔

حج کے بعد غالباً ٢٥/ ذی الحجہ کو (٣١ر دسمبر) کو مدینہ منورہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، بیس دن برکات وانوارات کی سرزمین سے فیضیاب ہو کر مکہ معظمہ واپس آئے، چند دن مکہ معظمہ میں قیام کر کے حضرت حاجی امداد اللہ کے فیض صحبت سے مشرف ہوئے۔ واپسی کا سفر ربیع الاول ١٢٩٥ھ (مارچ ١٨٧٨ء) میں وطن پہنچنے پر مکمل ہوا(١)

(١) اس سفر حج کا مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے، حالات طیب مولانا محمد قاسم میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو نسخہ مشمولہ: قاسم العلوم مرتبہ نورالحسن راشد کاندھلوی ص: ٢١٥/ (کاندھلہ: ١٤٢١ھ) نیز مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید، ص: ٢٢٩/٢٤٢..... حصہ دوم میں، اور مولانا گیلانی نے سوانح قاسمی میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے۔

مولانا محمد مظہر صاحب نے اس مبارک مقصد کے لئے چھ مہینہ کی تنخواہ کے ساتھ رخصت لی تھی، اور رخصت کا مقررہ وقت پورا ہونے سے پہلے مدرسہ میں حاضر ہو گئے تھے۔ روداد میں لکھا ہے:

''مولوی محمد مظہر صاحب مدرس اول اور مولوی احمد حسن صاحب مدرس دوم اور مولوی عنایت الٰہی صاحب مدرس ومحرر مدرسہ اور پیر محمد خاں صاحب کو رخصت چھ مہینے واسطے سفر حج کے شوال سنہ ۱۲۹۴ھ میں عنایت کی گئی تھی ...... چنانچہ وہ سب قبل انقضائے ایام رخصت، تاریخہائے مختلف میں اپنے اپنے کام پر قائم ہو گئے'' (۱)

نکاح مولانا نے دو نکاح کئے پہلا نکاح نانوتہ کی نواحی بستی، لکھنوتی میں اپنے خاندان میں ہوا تھا، اس خاندان سے مولانا کی ننہیال کی رشتہ داری تھی، مولانا کی زوجہ لکھنوتی کے قاضی (سید محمد صاحب) کی بھتیجی تھیں۔ (۲)

مولانا اس نسبت اور پرانی عزیز داری کی وجہ سے رمضان المبارک میں لکھنوتی میں رہتے تھے (۲) جس میں تفسیر قرآن اور درس حدیث کی خدمت جاری رہتی تھی، مولانا خلیل احمد صاحب نے مولانا محمد مظہر سے ابوداؤد شریف مولانا کے لکھنوتی قیام کے زمانہ میں پڑھی تھی (۳)

غالبا پہلی زوجہ کی وفات یا شدید بیماری کی وجہ سے دوسرا نکاح کیا، یہ زوجہ مولانا گنگوہی کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، اشرف علی نانوتوی کی برادرزادی اور بیوہ تھیں۔ حضرت مولانا گنگوہی نے مولانا کے اس نکاح کا، اپنے ایک خط میں اس طرح ذکر کیا ہے:

(۱) کیفیت [روداد] مدرسہ سنہ ۱۲۹۵ھ ص: ۴

(۲) مولانا نے سنی شیعہ مقدمہ کے دوران اپنے بیان میں فرمایا تھا: وہاں [لکھنوتی میں] ہماری شادی ہوئی ہے، قاضی کی بھتیجی بیاہی ہے۔ روداد مقدمہ شیعہ وسنی ص: ۶ (طبع اول)

(۳) تذکرۃ الخلیل، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص: ۱۲۵ (عکس طبع اول) سہارنپور

''مولوی محمد مظہر صاحب خوش اند، نکاح با بیوہ در نانوتہ کردہ اند کہ برادرزادی میاں اشرف علی نانوتوی ہست (۱)

ترجمہ: مولوی محمد مظہر صاحب خوش ہیں، ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا ہے، جو میاں اشرف علی نانوتوی کی بھتیجی ہیں۔

دونوں بیویوں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

دردگردہ کا عارضہ مولانا کو دردگردہ کی بیماری لمبے عرصے سے تھی، جو کبھی کبھی بہت بڑھ جاتی تھی اور نہایت تکلیف دیتی تھی، سنہ ۱۲۸۸ھ میں بھی کا حملہ ہوا تھا جس کی وجہ سے مدرسہ سے دو مہینہ کی چھٹی لی تھی، اس کے بعد بھی وقفہ وقفہ سے اس کے حملے ہوتے رہے، جس میں بعض مرتبہ طبیعت بہت نازک اور کمزور ہو جاتی تھی مگر پھر سنبھل جاتی، یہ سلسلہ اور تکلیف بیس سال سے زیادہ عرصہ تک جاری رہی، ہر مرتبہ یہی ہوتا کہ تکلیف اٹھاتے، یہاں تک کہ متعلقین زندگی سے مایوس ہو جاتے، مگر پھر صحت ہو جاتی۔ آخری مرتبہ مرض وفات میں بھی اسی کا حملہ ہوا تھا اور بظاہر کوئی ایسی بات نہیں آتی تھی جس کی وجہ سے یہ کہا جا سکتا کہ مولانا کی زندگی کے آخری لمحات آ گئے ہیں، یہ آفتاب علم و کمال اب غروب ہوا چاہتا ہے، اس لئے مولانا کے جاننے دیکھنے والے اصحاب مطمئن تھے۔

حضرت مولانا کو وفات سے تقریباً ایک سال پہلے اس کا خیال ہو گیا تھا کہ وقت قریب ہے، جو لمحات گزر رہے ہیں وہ آخری ہیں، کسی بھی وقت زندگی کا چراغ گل ہو جائے گا۔ مولانا اپنے اس خیال کا کبھی کبھی ڈھکے چھپے الفاظ میں تذکرہ تو فرما دیتے تھے، لیکن مولانا کی مصروفیات شب و روز کے انہماک اور معمولات میں کچھ کمی نہیں آئی تھی، وہی مدرسہ کی

(۱) مجموعہ مکتوبات حضرت مولانا گنگوہی وغیرہ قلمی (فوٹو اسٹیٹ مملوکہ راقم سطور) مکتوب نمبر: ا... بنام حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی

خدمت، وہی اسباق پڑھانے کا اہتمام، وہی طلبہ کی طرف توجہ اور ویسے ہی صبح و شام گذر رہے تھے، لیکن مولانا ہر دن آنے والے وقت اور ملأ اعلیٰ سے آنے والی صداؤں کو سن رہے تھے، اور بار بار فرما دیتے تھے کہ:

جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

وفات کے قریب ہونے کا احساس اور چند ارشادات

مولانا کی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے، مدرسہ کے ایک بڑے معاون، بلکہ مولانا اور تمام اہل مدرسہ کے دست و بازو حافظ فضل حق کی وفات (صفر سنہ ۱۳۰۲ھ میں) ہوگئی تھی، ان کی وفات سے پہلے کسی نے خواب میں دیکھا تھا کہ مدرسے کی دو دیواریں گر گئیں ہیں، منشی جی کی وفات کے بعد یہ خواب مولانا سے عرض کیا، مولانا نے فرمایا: ''کہ ہاں ایک دیوار تو گر چکی ہے، (منشی جی کی وفات کی طرف اشارہ تھا) دوسری گرنے والی ہے''۔ خود مولانا محمد مظہر صاحب نے بھی اپنے وفات سے تقریباً ایک سال پہلے ایک خواب دیکھا تھا، جو تعبیر کے لئے حضرت مولانا گنگوہی کے سامنے پیش کیا، حضرت مولانا نے فرمایا یونہی خیالات ہیں، لیکن مولانا نے کہا، مجھے تو اپنی زندگی ایک سال سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔

سفر آخرت کے اشارے

دارالعلوم دیوبند قائم ہونے کے چند سال کے بعد، اکابرین دیوبند نے مسلمان کے معاشی حالات کو سہارا دینے، اور ان کے بگڑتے مالی حالات کو سنبھالنے کے لئے، ایک بڑی تجارتی کمپنی قائم کی تھی، جس کو اس وقت کی اصطلاح میں کوٹھی تجارت کہتے تھے، اس کمپنی یا کوٹھی تجارت میں سینکڑوں علماء اور عوام نے کثیر سرمایہ لگایا تھا، دارالعلوم کے روداد کے ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ، یہ سرمایہ ایک لاکھ روپئے سے زیادہ ہوگیا تھا، کہ یہ کمپنی خسارہ کی وجہ سے اچانک بند کردی گئی۔

مولانا محمد مظہر صاحب کی وفات تک اس کمپنی کا نظام اور منافع کی ترتیب صحیح چل رہی تھی، علمائے دیوبند کی طرح مظاہر علوم کے وابستگان نے بھی، اس میں اپنی رقومات لگا رکھیں تھیں، مولانا محمد مظہر صاحب کا بھی سرمایہ تھا، مولانا نے وفات سے چار پانچ مہینہ پہلے اس کمپنی میں سے اپنی رقم اور حصہ واپس منگوالیا۔ اسکے چند دنوں کے بعد مولانا کے چھوٹے بھائی، مولانا محمد احسن نانوتوی جو اپنی سرکاری ملازمت کی پنشن لینے کے لئے تیسرے مہینہ سہارنپور آتے تھے، سہارنپور آئے، ان کو معلوم ہوا کہ مولانا محمد مظہر صاحب نے کمیٹی سے اپنی رقم واپس لے لی ہے، انہوں نے مولانا سے کہا:

''بلا ضرورت روپیہ کیوں واپس لیا، وہیں رہنے دیا ہوتا، نفع سے زکوٰۃ ہی ادا ہوتی رہتی، مولانا محمد مظہر نے جواب میں فرمایا:

''میرے جی میں یہ بات آئی کہ اپنا روپیہ ابھی واپس منگالوں، بعد میں کون منگاتا پھرے گا۔ مولانا احسن یہ سن کر خاموش رہ گئے۔ (۱)

حالاں کہ اس وقت مرض کے کوئی آثار اور زندگی کے لئے بہ ظاہر کوئی مسئلہ سامنے نہیں تھا۔ اس کے بعد جب مرض وفات شروع ہوا، تو مدرسہ کے مہتمم اول قاضی فضل الرحمٰن صاحب تشریف لائے اور بہت اصرار کیا کہ وہاں (محلہ قاضی میں جہاں مدرسہ کا آغاز ہوا تھا) چلیں، کچھ ماحول تبدیل ہو جائے گا، صحت پر اثر پڑے گا، وہاں کئی مکان خالی پڑے ہیں۔ مولانا نے فرمایا یہی مکان خالی ہو جائے گا (۲)

مرض وفات آخر میں جب درد گردہ کی شکایت ہوئی جو پرانا مرض تھا، مگر اس مرتبہ طبیعت خراب ہوئی تو دوا کی طرف توجہ ہی نہیں تھی، جب کوئی اصرار کرتا تو فرماتے:

(۲/۱) طریقۂ شریعت، مولانا حشمت علی بناری ص: ۶۰/ ۷ (مجتبائی، دہلی، ۱۳۰۴ھ)

''جودم باقی ہے آرام سے رہنے دو، کیوں تکلیف دیتے ہو، اب رہنا ہو چکا افاقہ نہ ہوگا''۔(۱)

اگر کسی خاص عزیز وقریب کی خاطر واصرار سے دوا منھ کو لگاتے تو ایک دو گھونٹ پی کر زمین پر ڈال دیتے، اکثر خاموش رہتے کسی بات نہ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رکھتے اور ذکر قلبی میں مشغول رہتے (۲)

اس مرض سے کیفیت دگرگوں ہوگئی تھی، یہاں تک کہ مایوسی ہوگئی، حضرت مولانا گنگوہی کو اطلاع ہوئی تو دیکھنے کے لئے سہارنپور تشریف لائے۔ مولانا خلیل احمد صاحب کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولوی محمد مظہر کو ہفتہ سے زیاد ہوا اور گردہ کا دورہ ہوا، آج کے خط سے پیر محمد کے پاس معلوم ہوتی ہے، اس وقت پریشان ہوں، یوں عزم ہے کہ خود سہارنپور پہنچوں، اگر سامان ہوا تو شاید شب کو روانہ ہو جاؤں (۳)

آخری لمحات مولانا کے ایک شاگرد (مولانا حشمت علی بنارسی) جو اس وقت مولانا سے پڑھتے تھے اور ہر وقت حاضر خدمت رہنے کی کوشش کرتے تھے، مولانا کی سخت بیماری، تکلیف اور تنفس کی شکایت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ، حضرت مولانا اس وقت سبق پڑھانا ترک کردیں، حضرت مولانا کو علم ہوا تو نہایت ناخوش ہوئے اور فرمایا

''سبق کیوں نہیں پڑھتے، میں کب تک جیتا رہوں گا''

(۱) طریقۂ شریعت، مولانا حشمت علی بنارسی ص:۶/۷ (مجتبائی، دہلی، ۱۳۰۴ھ)

(۲) طریقہ شریعت ص:۷۔

(۳) مکتوبات حضرت مولانا گنگوہی، بنام مولانا خلیل احمد مکتوب۔ ۳۷ (مشمولہ مجموعہ مکتوبات قسمی)

مولانا بنارسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ: مولانا سبق پڑھاتے وقت کسی رئیس امیر کبیر کی طرف بھی التفات نہیں فرماتے تھے۔

مولانا حشمت علی بنارسی نے مولانا سے آخری ملاقات ولمحات کی تفصیل قلم بند کی ہے، اگرچہ اس وقت مولانا حشمت علی بھی سخت بیمار تھے، نقل وحرکت دشوار تھی، مگر ان کو حضرت مولانا سے ایسا تعلق تھا کہ اگرچہ چلنے پھرنے سے ان کی بیماری اضافہ ہوتا اور بخار بڑھ جاتا تھا، مگر حضرت مولانا سے جو ارادت وعقیدت تھی اس کی وجہ سے بغیر زیارت کئے سکون نہیں ہوتا تھا، اس لئے اپنے ایک سبق کے بہانہ سے روزانہ صبح حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، آخری دن بھی اسی طرح حاضر ہوئے۔ تفصیل مولانا حشمت علی کے الفاظ میں پڑھیے:

''دیدار پُر انوار آخری کا یہ حال ہوا کہ حسبِ عادت، میں ایک روز بمعیت ایک طالب علم مکان پر حاضر ہوا، حضور اقدس چشم ظاہری از سیر جہاں فانی پوشیدہ، دیدۂ دل کشادہ مشغول بہ مشاہدہ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، یہ بدبخت ازلی چوری لے کر بہ حذائے سینہ اسرار گنجینہ، ایستادہ مگس رانی کرنے لگا۔ آپ کے برادر زادہ عزیز حافظ ابراہیم سلمہ خلف مولانا محمد احسن صاحب مدظلہ بجانب سرہانے کھڑے تھے، یک بہ یک چشم وا کر کے کچھ دیر تک میری طرف بغور دیکھا، بعدہ بہ جانب محمد ابراہیم سلمہ متوجہ ہوئے، چوں کہ وہ بہ جانب سرہانے تھے سر پھیرنے میں تکلیف ہوئی تھی، لہٰذا جلدی سے منھ پھیر لیا۔''

''اول تو مریض دوسرے وقت صبح ہوائے سرد چلتی تھی جس پر رواں کھڑا نظر آیا، دل میں آیا کہ کپڑا اڑھا دیجیے لیکن یہ پاس ادب متحیر تھا، اتنے میں خود بہ دست مبارک

اشارہ کیا، پھر تو فوراً اپنا ارادہ پورا کیا، لاَ رخ انور کو کشادہ رکھا، پھر آپ نے خود منھ چھپالیا وہ وہ رداء ازرق کا منھ پر آنا گویا چشم نحیف سے آفتاب جہاں تاب زیر ابر سیاہ نہاں ہوا، اس وقت کے تنفس سے معلوم ہوا کہ یاد الٰہی میں مشغول ہیں، تخلیہ منظور ہے، پس بایں.......... چلا آیا۔

اگلے روز بوجہ بیماری آپ کے ختم بخاری شریف تھا، صبح سے قریب دوپہر تک تلاوت کتاب میں مشغول رہا، ختم [پر] قیام گاہ پر چلا گیا شام قیامت انضمام ہوئی، بعد فراغ صلوٰۃ عشاء چارپائی پر لیٹ رہا، یہ کیا خبر تھی کہ آج معاملہ دگرگوں ہوگا، نام دفتر یتیمی میں لکھا جائے گا۔

کیا خبر تھی کہ انتقال آسماں ہوجائے گا
یک بہ یک یہ طالع بیداریوں سوجائے گا۔

ہنوز بیداری باقی تھی نیند نہ آئی تھی کہ ایک شخص رستخیز اثر لیکر نمودار ہوا کہ اے شخص آج تیرے پروردگار نے تجھے یتیم کیا، تیرا مخدوم تیرے سر سے خلد بریں کا راہی ہوا، یہ سنتے ہی ہواش باختہ ہوا، عالم سکتہ کا ہوا، نہ آہ نکلی نہ اف کیا۔ یہ حادثہ فاجعہ ۲۴ رذی الحجہ سنہ ۱۳۰۲ھ (۳-اکتوبر ۱۸۸۵ء) ہفتہ کا دن گذار کر یکشنبہ کی رات میں آٹھ بجے پیش آیا تھا"۔

حدیث شریف میں موت کے وقت پسینہ آنے کو مومن کا ایک نشان فرمایا گیا ہے، مولانا وفات کے وقت بار بار اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ پسینہ آیا یا نہیں! جب پسینہ محسوس ہوا تو خوش ہوئے اور مسرت کا اظہار کیا۔

مولانا کی وفات کے وقت تقریباً چھیاسٹھ سال عمر تھی، عیسوی سنہ کے حساب سے ترسٹھ سال، تذکرہ نگاروں نے عموماً مولانا کی عمر تقریباً ستر سال لکھی ہے جو صحیح نہیں۔ ولادت سنہ ۱۲۳۷ھ وفات سنہ ۱۳۰۲ھ کل چھیاسٹھ سال ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا کی وفات بہت بڑا حادثہ تھا ہر ایک پر اس کا اثر تھا، خصوصاً مدرسہ کے اصحاب، اور شہر میں مولانا سے واقف اور قدرداں اس نعمت عظمیٰ کے چھن جانے، اور اپنی محرومی اور اس صدمۂ عظیمہ کی وجہ سے بے حال تھے۔ چوں کہ حضرت مولانا سے اہل شہر ارباب... رسہ اور محلہ کے افراد کو یکساں محبت اور عقیدت تھی اس لئے رات بھر یہ موضوع گفتگو رہا کہ حضرت مولانا کو کہاں دفن کیا جائے۔

صبح صادق کے قریب مولانا کے حقیقی بھائی، مولانا محمد احسن صاحب کو خواب میں رہنمائی ملی، کہ مدرسہ کے دوسری دیوار اور ابتدائی ہمدرد معاون اور رفیق حافظ فضل کی قبر کے پاس دفن کرنا مناسب ہے، اسی پر عمل ہوا، دوسرے روز صبح کے وقت سہارنپور کے پرانے اور مشہور قبرستان حاجی شاہ کمال میں، جو مدرسہ کی قدیم عمارت سے تقریباً چھ سات فرلانگ کے فاصلہ پر، سہارنپور کے اختتام پر شمال کی جانب ہے حافظ محمد فضل حق کے برابر میں دفن کئے گئے۔ مولانا محمد احسن نانوتوی نے قطعہ تاریخ وفات کہا جس کے ہر اک مصرعہ سے سنہ وفات ۱۳۰۲ھ نکلتا ہے:

برفت چوز میں بہ دارالبقاء عابدا روحانی و شیخ اجل
ہاتف غیبی، پئے تاریخ سال دادندا، مظہر لطف ازل

مولوی محمد سعید عظیم آبادی نے بھی قطعہ تاریخ وفات کہا تھا (۱)

۱۔ طریقۂ شریعت ص

مولانا محمد مظہر کی ذات گرامی علماء میں فرد، اور حضرت حاجی امداد اللہ کے الفاظ میں:
"یکتائے زمانہ تھی"، ایسے جامع صفات جامع کمالات، متبحر، نادر روزگار عالم، بے نظیر مدرس، بے لوث خادم اور فخر زماں شخصیت کی وفات کا جس قدر صدمہ ہوتا کم تھا۔ خصوصاً مظاہر علوم تو گویا مولانا کے سایے میں پرورش پا رہا تھا، مولانا اس کے گویا بانیوں میں شامل تھے۔ حضرت مولانا احمد علی محدث کی وفات کے بعد حضرت مولانا کی حیثیت اس شجر سایہ دار کی ہوگئی تھی جس سے سینکڑوں قافلوں کو دھوپ کی تمازت سے سکون ملتا ہے، ہواؤں کے تھپیڑوں سے حفاظت اور سفر کی منزلوں میں طمانیت کا احساس ہوتا ہے، اس لئے قدرتی طور پر اہل مدرسہ کو اس حادثہ کا غیر معمولی صدمہ ہونا ہی چاہئے تھا، چنانچہ اراکین مدرسہ نے اس کا بہت احساس کیا۔ مدرسہ کی روداد میں مولانا کے سانحۂ وفات اور مدرسہ پر مولانا کے احسانات کا کئی مرتبہ ذکر آیا ہے۔ سب سے پہلے مولانا کی وفات پر اہل مدرسہ کی غم کی کیفیت کا ان الفاظ میں اظہار کیا گیا:

دوسرا حادثہ عظیمہ

یکا یک دوسرا حادثہ عظیمہ پیش آیا، یعنی جناب مولانا مولوی محمد مظہر صاحب مدرس اول جن کے اوصاف بیرون از بیان ہے، وقت آٹھ بجے شب ۲۴ ذی الحجہ بمرض درد گردہ سہارنپور میں، اسی جہان فانی سے رحلت فرما کر عالم جاودانی جنت الفردوس میں جاگزیں ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس صدمہ جانکاہ سے ہندوستان کے اہل اسلام کو عموماً، اور اس مدرسہ کے خیر خواہان کو خصوصاً، جس قدر رنج وغم ہو وہ کم ہے، ایسے عالم باعمل

اور فاضل اکمل جملہ علوم مروجہ میں فائق اور ترویج دینیات میں شایق
کا اس جہاں سے اٹھ جانا پس ماندگان کی نہایت کم نصیبی ہے۔
بعد انتقال مولوی سعادت علی صاحب مرحوم بانی، اس مدرسہ کی نگرانی
جملہ کارہا انتظامی وخبر گیری مدرسہ بھی، مولانا صاحب موصوف نے علاوہ
تدریس کے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، جو کچھ عزل ونصب بابت انتظام
مدرسہ ہوتا تھا، بدون صلاح وصوابدید مولانا ممدوح کے نہ ہوتا تھا، علاوہ
اس کے فراہمی چندہ میں بھی از حد سعی فرماتے تھے، اور تدریس کا یہ حال
کہ علاوہ دیگر کتب دینیات اکثر ہر سال صحاح ستہ کا درس ختم ہوتا رہا۔[2]
الغرض مولانا مرحوم کا اس جہاں فانی سے رحلت فرمانا اس شہر و مدرسہ
کے واسطے کمال حسرت واندوہ کا واقعہ ہے، خدا تعالیٰ ان کو غریق
مغفرت کرے اور درجات عالیہ عنایت فرمائے۔

سنہ ۱۳۰۳ھ کی روداد میں بھی، حضرت مولانا محمد مظہر کی وفات سے مدرسہ کو پہنچے
نقصان اور اس حرمان وفقدان کا ذکر ہے، مہتممان مدرسہ لکھتے ہیں:

"اسی سال میں مدرسہ پر صدمہ عظیمہ وفات دو بڑے سرپرستوں کا
پہنچا ہے، یہ انتقال جناب مولانا محمد مظہر صاحب قدس سرہ وحافظ فضل
حق مرحوم ومغفور"

حضرت گنگوہی کو صدمہ اور اس کا تذکرہ مولانا محمد مظہر کی رحلت کا سانحہ
ایسا نہیں تھا کہ اس کا صرف مدرسہ کی روداد میں ذکر ہو کر رہ جاتا۔ مولانا کا علم وکمال کی دنیا
میں بڑا مرتبہ تھا، اور مولانا کی ذات سے بہت سے چھوٹے بڑے حضرات کو ایک سہارا

تھا، مولانا کی وفات پر ہر ایک کو خیال ہوا کہ ایک بڑا استون گر گیا، جس کی تلافی اب ممکن نہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی کو بھی مولانا کی وفات سے سخت صدمہ ہوا، حضرت مولانا نے، مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

''حادثہ جدیدہ یہ ہوا کہ مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم، ۲۴ رشب ذی الحجہ،
یکشنبہ کو فوت ہوئے۔ عالم اندھیرا ہوا، اب سب رفیق رخصت ہوئے،
دیکھئے کب تک میری قسمت میں اس دنیا کے دھکے لکھے ہیں''(۱)

مولانا کا ماتم صرف اہل سہارنپور کا غم نہیں تھا، اس کا صدمہ صرف مظاہر علوم کے ارباب نے محسوس نہیں کیا، بلکہ اور بھی بہت سے حساس دل اور دردمند اہل قلم نے اس حادثہ پر اپنے صدمات کا اظہار کیا، اور مولانا کی خدمت دین، خدمت علم، سادگی، بے نفسی اور پاکیزگی کردار کی شہادت دی۔

سرسید احمد کا تأسف اور تعزیتی مضمون سرسید احمد ان گنے چنے افراد میں سے تھے جو حضرت مولانا کو ان کے دہلی کالج اور حضرت مولانا مملوک العلی کی خدمت میں تعلیم کے زمانہ سے جانتے تھے، مولانا کی وفات ہوئی تو سرسید کے قلم سے آنسو ٹپک پڑے، سرسید احمد نے اپنے اخبار انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڈھ میں مولانا کی وفات کا ماتم کیا۔ سرسید احمد کہتے ہیں:

افسوس ہے کہ مولوی محمد مظہر صاحب نے جو عربی مدرسہ سہارنپور میں مدرس تھے، اور انہیں کی ذات بابرکات سے اس مدرسہ کو عزت اور رونق تھی، بروز شنبہ تیسری اکتوبر ۱۸۸۵ء کو انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

(۱) مکتوب نمبر: ۵ مکتوبات رشیدیہ، مرتبہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص: ۴۴ (طبع اول میرٹھ: ۱۳۲۳ھ)

مولوی صاحب ممدوح بہت بڑے عالم تھے، جس زمانے میں دہلی میں طالب علم تھے اسی زمانہ میں ان کی ذہانت مشہور تھی، تقوی میں بھی نہایت اعلی درجہ رکھتے تھے، بیس برس سے انہوں نے اپنے ہم قوموں کو علوم دینی کی فیض رسانی پر کمر ہمت چست باندھی تھی، اور عربی مدرسہ سہارنپور میں پا شکستہ ہو کر بیٹھ گئے تھے، آمدنی مدرسہ سے صرف پچیس روپئے ماہوار تھی، بقدر بسر اوقات لیتے تھے اور علوم کی تعلیم میں مصروف تھے۔ بہت لوگ ان سے فیضیاب ہوئے مگر افسوس ہے کہ اجل نے لوگوں کو اس فیض سے محروم کر دیا۔

زیادہ افسوس کی یہ بات ہے کہ جو شخص دنیا سے سفر کرتا ہے اس کا کوئی جانشین نہیں ہوتا، جناب مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال کیا، مولوی محمد یعقوب صاحب نے انتقال کیا، درحقیقت کوئی ان کا جانشین نہیں ہوا، اب مولوی محمد مظہر نے انتقال کیا ہے، ہم کو تو ان کا بھی جانشین کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. (۱)

(۱) انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔ علی گڈھ۔ اکتوبر ۱۸۸۵ء (۲۳ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ) نیز دیکھئے: سرسید کی تعزیتی تحریریں، مرتبہ اصغر عباس ص: ۲۲ (علی گڈھ: ۱۹۸۹ء)

باب دوم

علمی تحریری تصنیفی ورثہ

تصانیف، تصحیح وتحقیق، حواشی اور ترجمہ

[حاشیہ موطاء امام مالک، تصحیح وحواشی احیاء العلوم
امام غزالی۔ مجمع البحار علامہ محمد طاہر پٹنی۔ تکمیل ترجمۂ درمختار]

مولانا محمد مظہر صاحب نے علم کی دولت حضرت شاہ محمد اسحاق اور حضرت مولانا مملوک العلی جیسے علماء کرام کی صحبتوں سے حاصل کی تھی، اور بچپن سے دلی کالج کا علم پرور ماحول ملا تھا، جس کے اثر سے علم کا نشہ دو آتشہ اور دینی علمی خدمات کا جذبہ اور تحریری۔ تصنیفی کام کی لگن شوق سے بڑھ کر ذوق ومزاج بن گیا تھا، اس لئے مولانا تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد جلد ہی علمی کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ مولانا نے سب سے پہلے کون سا تحریری کام انجام دیا، اور اس کے بعد کی علمی محنتوں میں سے کیا کیا چیزیں چھپیں اور عام ہوئیں اور کون کون سی ناپید اور معدوم ومفقود ہو گئیں، اس کا (زمانہ طالب علمی کے ایک مضمون کے علاوہ) علم نہیں لیکن مولانا کی تحقیق اور حاشیوں سے مزین ہو کر جو چند کتابیں چھپی تھیں، وہی حضرت مولانا کے بلند مقام غیر معمولی محنت وکاوش اور تحقیق وحواشی کے علمی مرتبہ کی تعیین کے لئے بہت ہیں، مولانا کی مرتبہ کتابوں میں سے ہر ایک کتاب حضرت مولانا کے علم وفضل کی آئینہ دار اور بلند نگہی کی گواہ وترجمان ہے، مگر افسوس ہے کہ ان کتابوں اور مصنفات کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔

راقم سطور کو حضرت مولانا کی صرف ایک با قاعدہ تصنیف معلوم ہے، حاشیہ موطا امام مالک! دو کتابوں کے متن کی تصحیح و تحقیق اور حواشی کا علم ہے، یہ احیاء العلوم امام غزالی اور مجمع البحار علامہ محمد بن طاہر پٹنی ہیں۔

مولانا کی ایک اور یادگار خدمت علامہ بوصیری کے قصیدۂ ہمزیہ کی قلمی نسخوں سے تصحیح اس کا جامع حاشیہ اور اس کی عمدہ طباعت ہے جو اس مبارک قصیدہ کی دنیا بھر میں پہلی اشاعت ہے، نیز مولانا نے فقہ حنفی کی شہرۂ آفاق دستاویز، درمختار کے مولانا خرم علی بلہوری کے کئے ہوئے ناتمام ترجمہ کی تکمیل و تصحیح فرمائی ہے، آئندہ صفحات میں ان سب کا تعارف پیش ہے۔ وباللہ التوفیق۔

مولانا کی سب سے پہلی علمی تحریر

حضرت مولانا کی علمی لیاقت کا سب سے پہلا علمی نمونہ فلسفۂ طبعیات (NATURAL PHILOSPHY) پر اردو میں ایک عمدہ مضمون تھا، جو مولانا نے زمانۂ طالب علمی میں دہلی کالج کے ایک علمی مقابلہ کے لئے لکھا تھا، اس مضمون پر مولانا کو دہلی کالج سے اول مضمون کا انعام بھی ملا تھا، مگر اس مضمون کا کوئی پتہ نشان باقی نہیں، اس لئے یہ کہنا ممکن ہی نہیں کہ مولانا نے اس میں کیا گوہر فشانی کی تھی اور وہ کس قدر صفحات پر مشتمل تھا۔ نیچرل فلاسفی کے موضوع سے مولانا کو ہمیشہ دلچسپی رہی، مولانا آخر تک چاہتے تھے کہ ان کو یہ مضمون پڑھانے کو ملے۔

مولانا کا پہلا علمی کارنامہ، حاشیہ موطا امام مالک ۱۲۶۶ھ

مولانا کا پہلا علمی تصنیفی کارنامہ جو ہم تک پہنچا ہے، اور اس سے آج تک بلا کسی وقفہ کے مسلسل ہر وقت استفادہ ہو رہا ہے، موطا امام مالک کا حاشیہ ہے۔ امام ہمام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض کرم سے برصغیر میں خدمت حدیث کی ایک دوامی اور پائیدار مشعل روشن ہوئی، حدیث شریف کو صحیح طور پر، مرتب طریقہ سے

پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کی تابندہ روایت کے علاوہ، اس خانوادۂ گراں مایہ کے ذریعہ خصوصاً صحاح ستہ کے سبقاً سبقاً درس، ان تمام کتابوں کو تمام طلبائے حدیث کو خاص اہتمام اور عمل منصوبہ کے تحت پڑھانے کے معمول، اور ان کے متون کی تصحیح و تحقیق کے بعد اشاعت، ان پر حواشی و تعلیقات کا اضافہ، بلکہ ان کی مفصل شروحات کا ذوق بھی اسی خاندان کے علماء کے کمالات کا اثر، اور ان کے ذوق تربیت کا نشان ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے مبارک عہد میں ہندوستان میں طباعت اور اشاعت کا عام سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا، پریس موجود نہیں تھا، لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز کے آخری زمانہ میں کلکتہ کے مطابع قائم ہو گئے تھے، اشاعت کا کام شروع ہو گیا تھا، حضرت شاہ عبدالعزیز نے اس تازہ ایجاد سے فوراً فائدہ اٹھایا، الفوز الکبیر چھپوائی، حجۃ اللہ کی اشاعت کا منصوبہ بنایا جو اگرچہ مکمل نہیں ہوا، مگر اس سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ ان بزرگوں نے اسی وقت یہ سوچ لیا تھا کہ وقت آ گیا ہے کہ حدیث پاک کی کتابوں کو کامل تصحیح اور عمدہ تعلیقات و حواشی سے مزین کر کے شائع اور عام کیا جائے، تاکہ امت کا یہ سب سے قیمتی بلکہ قیمت سے بالاتر سرمایہ اس طرح محفوظ ہو جائے کہ بعد میں اس میں کسی طرح کی مداخلت کا ڈر نہ رہے۔

اس منصوبہ کی پہلی کڑی سنن نسائی کی اشاعت ہے، جس کی طباعت کا حضرت شاہ محمد اسحاقؒ (وفات ۱۲۶۲ھ) نے ہندوستان سے ہجرت سے پہلے خود اہتمام فرمایا تھا، یہ نسخہ سلطان المطابع، قلعہ معلیٰ دہلی سے سنہ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں شائع ہوا تھا، اس پر حضرت شاہ صاحب کی سند درج ہے، حاشیوں پر کہیں کہیں مختصر افادات اور حل لغات شامل ہے، جس میں چند افادات حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے ہیں۔ سنن نسائی کے اس نسخہ کی اشاعت برصغیر کی دینی علمی تاریخ خصوصاً خدمت حدیث کے باب میں

ایک سنگ میل اور مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے، نسائی چھپ کر ہی آئی تھی کہ حضرت شاہ محمد اسحاق نے ہندوستان کو خیر باد کہدیا، اور ہجرت کی نیت سے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق کے تلامذہ کا اولوالعزمانہ کارنامہ

شاہ صاحب کی ہندوستان سے روانگی کے آخری ایام میں، جو چند اصحاب شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر اور درس حدیث کی سماعت سے مفتخر تھے، ان میں حضرت مولانا احمد علی صاحب اور مولانا محمد مظہر صاحب کے نام نامی بھی شامل ہیں، دونوں صاحبان کو اشاعت خدمت حدیث کا جذبہ اپنے استاد گرامی سے حاصل ہوا، شاہ محمد اسحاق صاحب کی ہجرت کے بعد مولانا محمد مظہر کو شاہ محمد اسحاق صاحب کی حیات میں حجاز حاضر ہونے کی سعادت میسر نہیں ہوئی، لیکن حضرت مولانا احمد علی اس کے ایک سال کے بعد مکہ معظمہ حاضر ہوئے، مکہ معظمہ میں حضرت شاہ صاحب سے کتب حدیث کی سماعت وقرأت مکمل فرمائی، حضرت مولانا کو حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب نے خدمت واشاعت کتب حدیث کی وصیت فرمائی تھی، اس لئے حجاز سے واپسی پر حضرت مولانا احمد علی نے اپنی جملہ صلاحیتیں اس خدمت کے لئے وقف فرمادیں اور پوری یکسوئی کے ساتھ ادھر متوجہ ہو گئے۔ مولانا محمد مظہر بھی اسی کارواں کے حدی خواں اور اسی قافلہ کے مسافر تھے، یہ کیسے ممکن تھا کہ مولانا کو خدمت حدیث کی لگن اور اپنے اساتذہ ومحسنین کے مقاصد اور تمناؤں کو پورا کرنے کی فکر نہ ہوتی۔

اس ضمن میں حضرت مولانا محدث سہارنپوری کے جو کارنامے اور خدمات ہیں ان کا تذکرہ اپنی جگہ آئے گا، یہاں مولانا محمد مظہر صاحب کی اس خدمت بلکہ کارنامہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے، جو اسی سنہری زنجیر کی ایک اہم اور شاندار کڑی ہے، مگر آج تک اس کا کہیں غالباً ایک موقع پر بھی، اس حیثیت سے ذکر نہیں آیا۔

حاشیہ موطا کی تالیف کا زمانہ اور اس کی پہلی دوسری طباعت

مولانا محمد مظہر تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد بنارس کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے تھے، یہ واقعہ غالباً شوال ذی قعدہ ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) کا ہے، اسی زمانہ میں مولانا نے موطا امام مالک کے تصحیح متن اور اس کا حاشیہ لکھنے پر توجہ فرمائی۔ مولانا بنارس کالج میں چار سال ملازمت کے بعد ۱۲۶۲ (۱۸۴۷) میں دو سال کے سفر کے منصوبہ سے حج کے لئے چلے گئے تھے، مگر اس مبارک سفر سے ارادہ کے مطابق مقررہ وقت پر واپسی نہ ہو سکی، واپس آتے آتے تقریباً ایک سال اور لگ گیا، سنہ ۱۲۶۵ھ میں واپسی ہوئی، اس لمبی غیر حاضری کی وجہ سے بنارس کی ملازمت ختم ہو گئی تھی، اس لئے سفر حج سے واپسی میں کلکتہ پہونچتے ہی نئی ملازمت کے لئے کوشش شروع کر دی تھی، دہلی اور سہارنپور میں کم وقفہ کی چند ملازمتیں ملیں، ان پر چندے کام بھی کیا، بالآخر تلاش وکوشش کے بعد اجمیر کالج میں عربی پروفیسر کے اسی منصب پر تقرر ہو گیا جو بنارس میں تھا، جس سے اطمینان ہوا اور فکر معاش سے یکسوئی ہو گئی۔

اجمیر میں ملازمت وتقرر کی صحیح تاریخ نہیں ملی، لیکن یہ واقعہ تقریباً وسط ۱۲۶۶ھ (مئی جون ۱۸۵۰ء) کا ہے، اس لئے خیال یہ ہے کہ مولانا نے موطا کے حاشیہ کی خدمت بنارس کی ملازمت وقیام کے دوران انجام دی ہوگی، کیوں کہ سفر حجاز کے بعد تمام وقت ملازمت کی تلاش اور مختلف مصروفیات میں گذرا، اس لئے بہ ظاہر یہ حاشیہ اس وقت مرتب نہیں ہوا ہوگا، اس سے پہلے مکمل ہو چکا ہوگا، ہمارے اس خیال کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ مولانا جیسے ہی فکر معاش سے یکسو ہوئے اور معقول ملازمت ملی، مولانا نے حاشیہ موطا امام مالک کو چھپوانے کی کوشش کی۔

اس وقت دہلی میں مولانا کے رفیق، حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری مطبع احمدی

کے نام سے ایک بڑا اور قابل قدر مطبع چلا رہے تھے، مولانا محمد مظہر صاحب نے اپنی اس کتاب کی اشاعت کے لئے اسی مطبع کا انتخاب کیا۔ مطبع احمدی کا طباعت کاغذ وغیرہ کا ایک معیار تھا، یہ کتاب بھی جو اس مطبع کی ابتدائی مطبوعات میں سے ہے، اس مطبع کے تمام معیارات کے مطابق صاف ستھرے کاغذ پر عمدہ طریقہ سے چھپی۔ اس کے سرورق پر مطبع احمدی، کے مہتمم کا نام اور سنہ طباعت بھی معمول کے مطابق درج ہے، لکھا ہے:

"قد طبع باهتمام احقر الانام ظفر علی، فی المطبع الاحمدی. الواقع فی الدهلی. سنه ۱۲۶۶ھ"

یہ نسخہ تین سو بانوے صفحات پر مشتمل ہے، آخری صفحہ کے نصف میں جلی قلم سے "خاتمۃ الطبع" لکھا ہے، مگر اس کے تحت کوئی لفظ، فقرہ یا عبارت درج نہیں، نصف صفحہ بالکل سادہ ہے۔

موطا امام مالک کا یہ وہی معروف و مقبول نسخہ ہے، جو ہندوستان ہی نہیں بلکہ پاکستان بنگلہ دیش وغیرہ کے مدرسوں میں بھی طلبہ اور علماء کرام کے درس اور استعمال میں رہتا ہے۔ اس نسخہ کی بھی موطا امام مالک کے نسخوں کی ترتیب کے مطابق وقوت الصلوٰۃ سے ابتدا ہوئی ہے، پہلی روایت:

"ان عمر بن عبدالعزیز اخر الصلوٰۃ یوما، فدخل علیه عروۃ بن الزبیر فاخبرہ، ان مغیرۃ بن شعبة اخر الصلوٰۃ یوما، وهو بالکوفة"

اخر الصلوٰۃ کے لفظ پر سب سے پہلا اور خاصا مفصل حاشیہ ہے، جو ان الفاظ سے شروع ہوا ہے:

"اخر الصلوٰۃ: روی عن ابی دائود عن الزھری، ان عمر بن العزیز کان قاعداً علی المنبر، فأخر العصر ....."

لمبی وضاحت کے بعد یہ حاشیہ محلی کے رمز کے ساتھ ختم ہوا ہے، اس کتاب کے اکثر حاشیے محلّی شرح موطا تالیف مولانا سلام اللہ دہلوی سے لئے گئے ہیں، لیکن پہلے حاشیہ کے آغاز و اختتام پر بلکہ پوری کتاب کے کسی حاشیہ کے اول و آخر میں بھی کہیں حاشیہ نگار کے نام کی صراحت نہیں، جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حاشیہ کس کی تالیف ہے۔

لیکن اس حاشیہ کے مولانا محمد مظہر کی تالیف ہونے کی مولانا مملوک العلی اور اسپرنگر کی تحریروں سے تصدیق ہو رہی ہے، جو نہایت معتبر بلکہ معتبر ترین ہم عصر ذرائع ہیں۔ پہلی اطلاع مولانا کے استاد و مربی مولانا مملوک العلی کی ہے، جو اس وقت دہلی کالج کے مدرس اعلی تھے، دوسری اطلاع سپرنجر کی ہے جو مولانا محمد مظہر کے زمانہ تعلیم اور مولانا کی بنارس کالج میں ملازمت کے وقت دہلی کالج کا پرنسپل تھا۔ مولانا مملوک العلی نے سپرنجر کے نام خط میں لکھا تھا کہ:

"یہ موجب حکم کے تین نسخہ موطا شریف کے بنام قائم مقام ڈاکٹر موات صاحب کے بدستخط پرنسپل بہادر کے جو بلحاظ تحریر حضور کے انہوں نے کر دیئے، کل کی تاریخ میں روانہ کیے۔ یہ عرضی اس نظر سے کہ حضور ان سے ارشاد کر کے دو نسخے واسطے مدرسہ کے خرید کریں، اور ایک نسخہ بہ طور ہدیہ کے اپنی خدمت میں رکھیں، پہلے سے لکھ بھیجی"(۱)

(۱) مکتوبات مولانا مملوک العلی بنام اسپرنگر، ایک نادر مجموعہ مکاتیب مرتبہ ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی۔ مطبوعہ سہ ماہی اردو کراچی ص :۱۹۸۶ء

یہ اقتباس حضرت مولانا کے جس گرامی نامہ سے لیا گیا ہے، وہ ۱۱؍جمادی الاولی
۱۲۶۷ھ (۱۵؍مارچ ۱۸۵۱ء) کا لکھا ہوا ہے۔ یعنی یہ نسخہ اس سے پہلے شائع ہو چکا تھا، مولانا
مملوک العلی صاحب نے موطا کا یہ نسخہ اس خط کی تحریر سے کئی مہینہ پہلے اسپرنگر کے لئے
مختص کر کے رکھا تھا، یہ نسخہ مولانا مملوک العلی سے دہلی کالج میں فیض یافتہ ایک طالب علم
علی اکبر سونی پتی کے پاس بھی رکھا رہا، غالباً اس کو کتاب پہنچانے کا کوئی ذریعہ اور لیجانے
والا نہیں ملا تھا، اس لئے اس کے ارسال کرنے میں دیر ہوئی۔ علی اکبر نے بھی اپنے ایک خط
مکتوبہ ۳؍فروری ۱۸۵۱ء (یکم ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۷ھ) میں مولانا کے عنایت کے ہوئے
نسخہ موطا کا تذکرہ کرتے ہوئے، اسپرنگر کے نام لکھا تھا:

''موطا مملوک العلی صاحب نے ایک نسخہ موطا کا ہدیۂ تحفۂ حضور کے واسطے رکھا ہے، جس طرح حکم ہو بھیجا جاوے'' (۱)

یہ تو مولانا مملوک العلی اور دہلی کالج کے ایک طالب علم کی اطلاعات تھیں، خود
سپرنجر نے بھی مولانا محمد مظہر کے شائع کرائے ہوئے نسخۂ موطا کا ذکر کیا ہے، سپرنجر علمی
کتابوں کے تبصرہ و تعارف پر اپنے مضامین کے ایک سلسلہ میں لکھتا ہے:

''موطا کو مولوی محمد مظہر نے شائع کرایا، مولوی صاحب ان دنوں اجمیر میں تھے'' (۲)

(۱) ایک نادر مجموعہ مکاتیب (مکتوبات بنام اسپرنگر، پرنسپل دہلی کالج) مرتبہ: ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی ص: ۲۲۸
(مطبوعہ سہ ماہی اردو کراچی، مسلسل صفحات)

(۲) مضمون لٹریری آف انٹیلی جنس۔ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، شمارہ: پی ۳۔ ۱۸۵۱۔ ۲۸۲۔ نیز
ملاحظہ ہو: ایک نادر مجموعہ مکاتیب ص: ۸۰۔

LITRERY INTELLIGENCE JOURNAL OF THE ASIATIC SOCIETY, CALCUTTA.

ISSUE P. 3 - 1851 PAGE. 282

حضرت مولانا مملوک العلی اس کی اشاعت اور تعارف کے لئے کوشاں تھے اور اسی لئے یہ نسخے سپرنجر کو بھیجے تھے کہ وہ ایک نسخہ خود رکھ لیں اور دو نسخے مدرسہ دہلی (دہلی کالج) کی لائبریری کے لئے خرید لیں، یہ نسخہ سپرنجر کو اس کے علمی ذوق، کالج سے اس کی وابستگی اور ان حضرات پر اس کے احسانات کے علاوہ، اس لئے بھی بھیجا گیا ہوگا کہ وہ ہندوستان کی علمی مطبوعات پر اہل یورپ کے لئے پابندی سے انگریزی میں تبصرے لکھتا تھا، جس سے ان کتابوں کا یورپ خصوصاً برطانیہ کے علمی حلقوں اور اداروں میں تعارف ہو جاتا تھا اور ان کتابوں کے وہاں پہونچنے کا راستہ نکل آتا تھا۔

موطا کے اس نسخہ کی پہلی طباعت جیسا کہ ذکر ہوا مطبع احمدی دہلی کی ہے، جو شیخ ظفر علی (برادرزادہ مولانا احمد علی محدث) کے اہتمام سے ۱۲۶۶ھ (۱۸۵۱ء) میں شائع ہوئی تھی۔ دوسری اشاعت جو طبع اول کی جوں کی توں نقل ہے، غالباً ان ہی پتھروں پر چھپی ہے جس پر پہلی اشاعت کا اہتمام ہوا تھا، فخر المطابع دہلی کی ہے۔ یہ مطبع حافظ نیاز احمد (خلف الٰہی بخش) کیرانوی کے نگرانی میں قلعہ دہلی میں قائم تھا، بہادر شاہ ظفر کے فرزند اور جانشین مرزا فخرو اس کے سرپرست تھے، ان ہی کی نسبت سے اس کا نام فخر المطابع رکھا گیا تھا بہر حال دوسری اشاعت کے سرورق پر مطبع کا نام ان الفاظ میں درج ہے:

"باهتمام احقر الانام، نیاز احمد. فی الفخر المطابع الواقع فی الدهلی"

اس پر سنہ طباعت درج نہیں۔ یہ دونوں اشاعتیں نہایت کم یاب ہیں، تاہم دونوں کے تین نسخے راقم نے دیکھے ہیں، ان کے ابتدائی اور آخری صفحات کا عکس بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

امام بوصیری کے قصیدۂ ہمزیہ کی تصحیح، حاشیہ اور اس کی سب سے پہلی اشاعت ۱۲۷۰ھ

قصیدۂ بردہ [الکوکب الدریہ فی مدح خیر البریة ﷺ] حضرت امام بوصیری (شرف الدین، ابوعبداللہ محمد بن سعید الدلاصی البوصیری۔ وفات ۶۹۴ھ ۱۲۹۶ء) کی شہرۂ آفاق نہایت بابرکت اور ممتاز و معروف دینی علمی یادگار ہے، جو کثرت تلاوت و استفادہ اور فرط شہرت سے کسی تعارف و وضاحت کی محتاج نہیں (۱) مگر امام بوصیری کی یہی ایک شعری فنی یادگار نہیں تھی بلکہ حضرت امام کے اور بھی متعدد قصیدے ہیں، جس میں قصیدۂ بردہ کے بعد سب سے ممتاز قصیدہ: **ام القری فی مدح خیر الوری** ﷺ ہے، جو قصیدۂ ہمزیہ کے نام سے مشہور ہے۔

یہ قصیدہ بھی اپنی لطافت و معنویت، بلند پروازی، فنی ادبی امتیازات، بلاغت وادب نیز علمی کنوز و جواہر سے مالامال ہونے کی وجہ سے علمائے کرام اور اہل فضل وکمال کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا ہے، متعدد اکابر اور برگزیدہ خادمان علم و دین نے اس کی شرح و توضیح پر توجہ فرمائی ہے۔ متعدد شرحیں حاشیے لکھے، اس کی معنویت اور مطالب و نکات واضح کرنے کی کوششیں فرمائیں، منجملہ ان خدمات و حواشی کے اس قصیدہ کی ایک اہم خدمت وہ ہے جو حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی نے فرمائی تھی۔ حضرت مولانا کی یہ خدمت اور پہلوؤں کے علاوہ اس وجہ سے بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا کا اس قصیدہ کا مرتبہ نسخہ، اس مبارک قصیدہ کی دنیا بھر میں سب سے پہلی اشاعت ہے۔

(۱) بروکلمان نے قصیدۂ بردہ کی ڈیڑھ سو سے زائد شروحات و متعلقات کا تذکرہ کیا ہے (تاریخ الادب العربی، عربی ترجمہ) رمضان عبدالتواب۔ ص: ۸۱ تا ص: ۹۷ جلد: ۵ (قاہرہ: ۱۹۷۷ء) مگر یہ فہرست ناتمام ہے، اس پر تقریباً اسی قدر بلکہ اس سے زائد اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا کا کام | حضرت مولانا محمد مظہر نے سب سے پہلے اس قصیدہ کے متن کی متعدد نسخوں کی مدد سے تصحیح کی، حضرت مولانا کے پیش نظر قلمی نسخوں، شیخ ابن حجر مکی کی اس قصیدہ کی شرح [**المنح المکیه فی شرح الهمزیه**] نیز سیرت حلبیہ میں شامل متون میں جو اختلاف تھے ان کی نشاندہی اور تصحیح کی، اپنے مرتب کئے ہوئے متن کی صحت وترجیح کی وجہ لکھی اور مکمل قصیدہ پر جامع حاشیہ چڑھایا، جو اس قصیدہ کے تمام پہلوؤں پر حاوی اور حل مشکلات کے لئے کافی ہے۔

حضرت مولانا نے اس کے حواشی میں مطالب واشعار کی اس طرح گرہ کشائی فرمائی ہے کہ فنی مشکلات آسان اور اس کی علمی معنویت آئینہ ہو جاتی ہے۔ یہاں قصیدہ شریف کے پہلے تین شعر اور حضرت مولانا کا حاشیہ نقل کیا جاتا ہے، جس سے حضرت مولانا کی جامع تحریر اور ان کی علمی قدر ومنزلت کا اندازہ ہوگا، ملاحظہ ہو:

كَيفَ تَرقىٰ فى رُقِيك الانبياء مثل صعودک ۲	**ياسماء ما طاولتها سماء** استعارة لنبينا عليه السلام
لم يساووك فى علاك وقد جمع عليا تانيث اعلى	**حال سناً مِنكَ دونهم وسَناءُ** حجر مالقصر اى ضوا عظيم ۱۲
انما مثّلوا صفاتك للناس	**كما مثّل النجوم الماءُ**

قوله فترقى: مافيه مكسور القاف من رقى السنم وهو رقيه صلى الله عليه وسلم بدنه يقضة بمكة، ليلة الاسراء قبل الهجرة المشرفة. والمعنوى من رقى بالفتح وهو النقل من كل صفة كامنة وخلق عظيم، الى صفة اخرى وهكذا الى مالا غاية له۔

قوله ياسماء: بالتنوين والنصب لانها نكرة موصوفة، وهى فى حيز الشبيهة بالمضاف منتصب لاغير على الاصح، وقال مالك اى يجوز فيها النصب والضم وفصل الفراء فاوجب النصب اذا كان ضمير خطاب، كيا رجل ضربت: بدا ۱۲ شرح

قوله انما مثوا: ای صوروا ای الانبیا او ان اصعون لشمائلک وھو الاقرب، وان لم یجزله ذکر لانه معلوم ۱۲ یعنی ان غایة ما وصلوا الیه تصویر صور صفاته الکریمة الحاکمیة لمادیها کما ان انما لم یحث من النوم الاصح صور لاغیر۔

اکثر حل طلب اشعار پر اسی طرح جامع مگر متوسط حاشیے ہیں، بین السطور میں بھی کچھ وضاحتیں درج ہیں، جس میں کہیں کہیں صرف ترجمہ یا نحوی ترکیب کا اشارہ ہے یا مفہوم لکھا ہے۔ حضرت مولانا نے وضاحت کی ہے کہ ان میں سے اکثر توضیحات علامہ شیخ ابن حجر مکی (شیخ الاسلام، شہاب الدین، احمد بن محمد بن حجر الہیتمی الانصاری، ولادت ۹۰۹ھ/۱۵۰۴ء وفات سنہ ۹۷۴ھ/۱۵۶۷ء) کی قصیدۂ ہمزیہ کی شرح **المنح المکیة** سے اخذ کی گئی ہیں:

"ان اکثر حواشیھا الملتقطة من الشرح المسمی بافضل القری لقراء ام القری المشھور بالمنح المکیة فی شرح الھمزیه للشیخ المحقق الفاضل البارع، خاتمة المحدثین، الحافظ احمد بن محمدبن علی بن حجر الھیتمی المکی"(۱)

اس کے علاوہ علامہ حلبی کی سیرت سے بھی خاص استفادہ کیا ہے، چند حاشیے حضرت مولانا نے خود بھی تحریر فرمائے ہیں، لکھا ہے:

"وبعضھا الآخر مایسمح بھا خاطری وذالک قلیل"(۲)

شیخ ابن حجر مکی سے اخذ واقتباس ہو یا کسی اور کتاب ومصنف سے حضرت مولانا محمد مظہر نے نقل محض پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اگر حضرت مولانا ان کی کسی اطلاع یا توضیح سے مطمئن نہیں ہیں تو اس کی علمی تحقیق کی ہے، محشی اور شارح کے نقطۂ نظر کو دلائل

(۱ ۲) القصیدة الہمزیہ مع حاشیہ مرتبہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی۔ حاشیہ ص: ۵۳ (آگرہ: ۱۲۷۰ھ)

سے رد کیا ہے اور اپنا نقطۂ نظر پیش فرمایا ہے۔ حضرت مولانا نے اختلاف نسخ اور متن کی مختلف روایات کی نقل ومطابقت پر بھی توجہ کی ہے، اگر حضرت مولانا کے پیش نظر نسخوں کے متن اور شیخ ابن حجر یا علامہ حلبی کے نقل کئے ہوئے متن میں اختلاف ہے اور حضرت مولانا کے مآخذ اور رہنما نسخے دلائل کے رو سے زیادہ صحیح ہیں تو حضرت مولانا نے اپنے مآخذ کو ترجیح دی ہے، شیخ ابن حجر کی روایت پر نقد کیا ہے اور اپنے مرتبہ متن کی صحت کی وجوہ واساس تحریر فرمائی ہیں، اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ یہاں میری معروض ابن حجر مکی کی رائے سے بہتر اور واضح ہے:

"ھذا اولی واظھر مماحل به الشارح"(۱)

متعدد حواشی کے آخر میں مآخذ کی صراحت یا اشارہ درج ہے، اگر کہیں جوں کی توں عبارت نقل کی ہے اس کی بھی صراحت ہے، لکھا ہے "شرح ابن حجر بلفظه"(۲)

ایک تہائی سے زائد حواشی میں جو اکثر حاشیے مفصل ہیں، شارح کا نام یا اشارہ موجود نہیں، جس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً یہ حاشیے حضرت مولانا کی ذاتی تحقیق وکاوش کا نتیجہ ہوں گے۔

قصیدہ کے آخر میں ایک نسبۃً مفصل حاشیہ اس قصیدہ کے کاتب سید فضل الرحمان کے قلم سے ہے لکھا ہے: "لکاتبہ عفی عنہ" اسی پر نسبۃً توضیحی حاشیے ختم ہوگئے، آخر کے تین شعروں پر مختصر بین السطور اور چند کلمات تحریر ہیں، ایک دوسطری حاشیہ کے علاوہ مفصل حاشیہ نہیں ہے، اسی پر یہ قصیدۂ مبارکہ اور اس کی توضیحات ختم ہوگئیں۔

(۱) القصیدۃ الھمزیہ ص:۲۲

(۲) القصیدۃ الھمزیہ ص:۲۵

امام بوصیری کا مختصر احوال مولانا محمد مظہر کے قلم سے

اختتام پر جو قصیدہ کے اشعار کے بعد درج ہے، قصیدہ کے مصنف حضرت امام بوصیری کے مختصر احوال ان الفاظ میں لکھے ہیں:

الرسالة المباركة المسماة بام القرىٰ فى مدح سيد الورىٰ المشهورة بالهمزية، للشيخ الاجل الاوحد، فريددهره وحيدعصره، المحب لله ورسوله، الامام العارف الكامل، الهمام المفنن المحقق، البليغ الاديب المدقق، امام الشعراء واشعر العلماء، الشيخ شرف الدين، ابوعبدالله محمدبن سعيد بن حمادٌ بن محسن عبد الله بن صنهاج بن هلال. كان احدى ابويه من بوصير الصعيد. والآخر من دلاص فركبت النسبة فقيل له الدلاصيرى ثم اشتهر بالبوصيرى، ولعلها بلدابيه.

ولدسنة ثمان وست مائة، اخذعنه الامام ابوحيان والامام اليعمرى ابوالفتح بن سيدالناس وغيرهم. وتوفي سنة ست اوسبع وتسعين وستمائة، على ماقاله المقريزى. لكن صوب الشيخ الاسلام العسقلانى انه سنة اربع وتسعين وست مائة.

خاتمة المحقق

اسی عبارت کے حاشیہ پر حضرت مولانا کی مکتوبہ چند سطور اور بھی ہیں جن کو خاتمة المحشی والمحقق یا خاتمة الطبع کہنا چاہیے، اس میں حضرت مولانا نے اس قصیدہ کے لئے اپنی علمی خدمت کی نوعیت، اس کے کاتب کا نام اور تاریخ طباعت وغیرہ ذکر کی ہے، جو درج ذیل ہے:

يقول العبد المذنب خادم الطلبة محمد مظهر ابن لطف على النانوتوى غفر الله لهما، مصحح هذه الرسالة. ان اكثر حواشيها الملتقطة من الشرح المسمى بافضل القرى لقراء ام القرى المشهور بالمنح المكية فى شرح الهمزية، للشيخ المحقق الفاضل البارع، خاتمة المحدثين الحافظ احمد بن على [كذا] بن حجر الهيتمى المكى تغمده الله برحمته، وبعضها من كتاب السير للعلامة الحلبى الشافعى رحمه الله تعالى، وبعضها الآخر ماسمح به خاطرى وذالك قليل.

ولم آل جهداً فى تصحيحها من كتب اللغة، ومقابلتها بعدة النسخ التى تحصلت لى، وكان اختتام انتساخاً وطبعاً بحمدالله يوم الاثنين رابع شهر المولد ۱۲۷۰ على يد السيد الحافظ فضل حسين غفر الله له.

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين.

ترجمہ: کہتا ہے اس رسالہ کا مصحح، گنہگار بندہ محمد مظہر بن لطف علی نانوتوی [اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرمائے] کہ اس قصیدہ (شریف کی زیر نظر اشاعت) کے اکثر حاشیے اس کی شرح، جس کا نام: افضل القری لقراء ام القری مشہور بہ المنح المكية فى

شـرح الهـمزية ہے، جو شیخ محقق، فاضل کامل، خاتمۃ المحدثین حافظ احمد [بن محمد بن] علی بن حجر ہیتمی (اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے) کی تالیف ہے، سے ماخوذ ہیں، چند حاشیے علامہ حلبی شافعی (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے) کی کتاب سیرت سے ہیں اور چند وہ ہیں جو میرے خیال میں آئے، یہ کم (ہی) ہیں۔

میں نے اس [قصیدۂ شریف] کی کتب لغت سے تحقیق اور متن کے ان متعدد نسخوں سے مقابلہ کرنے میں جو مجھے دستیاب ہوئے، کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ اس کی کتابت اور طباعت دونوں کا بحمد اللہ تعالیٰ دوشنبہ ۴، ربیع الاول سنہ ۱۲۷۰ھ (ذسمبر ۱۸۵۳ء) کو حافظ سید فضل حسین کے ہاتھ سے اختتام ہوا (اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

یہ اس اشاعت یا نسخہ پر درج آخری الفاظ ہیں، اسی پر اس نسخہ کا اختتام ہو گیا ہے۔ یہ طباعت عمدہ سفید کاغذ پر ہے، اور میرے سامنے موجود نسخہ ایک سو ستاون سال گزر جانے کے باوجود آج تک صاف ستھرا اور لائق استفادہ ہے۔ یہ نسخہ ساڑھے چودہ، ساڑھے تیئس سینٹی میٹر پیمائش کے ترپن صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلا صفحہ ٹائیٹل کے لئے مختص ہے، دوسرے صفحے سے اصل کتاب (قصیدہ) کا آغاز ہوا ہے، جو باون صفحات میں مکمل ہوا ہے۔

اس نسخہ کا سرورق یہاں اس کا سرورق نقل کیا جاتا ہے جو درج ذیل عبارت پر مشتمل ہے:

مدحتک ایات الکتب فماعسی　　یثنی علی علیاک نظم مدیحی

واذا کتاب اللہ اثنی مفصحاً　　کان القصور قصار کل فصیح

المنظوم المبارکة المسماة بام القری

فی مدح سید الوریٰ المعروف

بالقصیدة الھمزیہ

للشیخ الامام العارف الکامل الھمام ابی عبداللہ

محمد ابن سعید البوصیری صاحب القصیدة المشھورة بالبردة

اھتم بطبعه محمد امیر خان في المطبع المنعمیه،فی چھلی اینٹ من محلات اکبر اباد .سنةسبعین ومائتین والف من الھجرة .

یہ طباعت اور نسخہ اس قدر نادر ہے کہ قصیدۂ ہمزیہ کے تعارف میں اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملا۔(۱) بروکلمان(CRAL BROEKEL MANN) نے اس کا ذکر کیا نہ یوسف سرکیس نے اور نہ ہی ڈاکٹر احمد خاں نے۔(۲) اس مبارک ونادر طباعت کا ایک عمدہ نسخہ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔والحمد للہ علی ذالک!

(۱) بروکلمان نے اس کی جس پہلی طباعت کا ذکر کیا ہے وہ سنہ ۱۲۷۸ھ کی قاہرہ کی طباعت ہے۔تاریخ الادب العربی ص:۹۸ ج:۵

بروکلمان نے تاریخ الادب العربی کے سات صفحات میں قصیدۂ ہمزیہ کے قلمی ومطبوعہ نسخوں شروحات ومنظومات ومتعلقات کا تذکرہ کیا ہے۔ملاحظہ ہو:ص:۹۷ تا ص:۱۰۴ ج:۵ عربی ترجمہ یعقوب بکر

(۲)معجم المطبوعات العربیه فی شبه القارة الھندیة(ریاض ۱۴۲۱ھ)

احیاء العلوم امام غزالی کی تصحیح متن اور اس کا مختصر حاشیہ ۱۲۸۱ھ

امت کے دینی علمی عرفانی کتب خانہ میں حضرت امام غزالی کی جلیل القدر تصنیف ''احیاء العلوم'' کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

مطبع منشی نول کشور نے جب اسلامی دینی کتابوں کی بہت بڑے پیمانہ پر اشاعت کا منصوبہ بنایا تو اپنے اس بڑے منصوبہ میں اس عظیم ولاثانی کتاب کو بھی شامل کیا، اور اس کی تصحیح، مقابلۂ نسخ اور حاشیہ لکھنے کی نہایت اہم اور نازک ذمہ داری حضرت مولانا محمد مظہر کے سپرد کی، جو اس وقت مطبع میں ملازم تھے، مولانا نے اس خدمت کو اعلیٰ ترین علمی معیارات پر بہت عمدگی بلکہ شایان شان طریقہ پر انجام دیا۔ اس نسخہ کے آخر میں حضرت مولانا کا لکھا ہوا، عربی میں ایک صفحہ کا کلمۂ محقق یا خاتمۃ الطبع شامل ہے، جس میں حضرت مولانا نے اپنا نام کی صراحت فرمائی ہے، لکھا ہے:

''اما بعد فیقول العبد الضعیف محمد مظہر غفر اللہ و تجاوز عن سیئاتہ''

ممکن ہے یہ شبہ کیا جائے کہ یہ حضرت مولانا محمد مظہر کے علاوہ کوئی اور مظہر بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اس تحریر کی آخری سطور میں حضرت مولانا نے اس کام میں اپنے رفیق مولانا محمد یعقوب خلف حضرت مولانا مملوک العلی کا ذکر کیا ہے:

''اخی و حبیبی، الشاب الصالح، و وزیری فی المصالح المولوی محمد یعقوب بن ''

جس سے یہ بات بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ یہ حاشیہ اور تصحیح حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی کا ہے، کسی اور مظہر کا نہیں ہے۔ حضرت مولانا نے قلمی اور مطبوعہ نسخوں کی مدد سے متن کی تصحیح کی، صحیح نسخہ مرتب فرمایا، اس پر ضروری مگر مختصر حاشیہ لکھا، صحیح ترین متن

معین و مرتب کرنے کی کوشش میں مولانا نے آٹھ قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے ایک ایک لفظ کو پڑھا اوران سے فائدہ اٹھایا ہے، جس میں چھے قلمی نسخے تھے، دو مصر کے مطبوعہ، قلمی نسخوں میں دو نسخے نہایت عمدہ اوراعلیٰ درجہ کے تھے، ان میں سے ایک بطور خاص نسخۂ مصنف کی نقل تھا۔ حضرت مولانا نے لکھا ہے:

"واحداً منها كانت في اقصىٰ درجة الصحة ، قدقابلها بعض الاعلام من العلماء بنسخ عديدة، وزينها بالتحشية وتحذير الاختلافات في مدة مديدة، والاخرى كانت قديمة معربة بحسن خط وهيئة معجبة"

حضرت مولانا نے ان دونوں نسخوں کو اساس بنا کر مطبوعہ نسخوں کا ان سے مقابلہ کیا، تمام اغلاط کی تصحیح کی، اور تمام نسخوں کے مقابلہ کے بعد جو لفظ صحیح ترین معلوم ہوا اس کو شامل متن کیا، غلط الفاظ کو خارج فرمایا، اور جو اہم اختلاف نسخ تھا، اس کو حاشیہ پر درج کر دیا۔

تحریر حواشی میں کتابوں کا بڑا ذخیرہ سامنے نہیں، مراجع کی فہرست مختصر سی ہے، جس میں تفسیر بیضاوی، مدارک التنزیل، کشاف، حدیث کی کتابوں میں شروحات حصن حصین اور مصباح المنیر شامل ہیں۔

حاشیہ میں بیشتر توجہ حل لغات پر ہے جس میں قاموس اور صراح حضرت مولانا کا اہم ماخذ ہیں، احادیث شریفہ کے الفاظ و متعلقات کی بھی تسہیل فرمائی گئی ہے، اس میں علامہ طاہر پٹنی کی مجمع البحار معتمد علیہ ہے، کہیں کہیں نہایہ وغیرہ سے بھی استفادہ ہے، شرح حدیث کے لئے مصباح المنیر سے رجوع کیا گیا ہے، چند اور کتابیں یا شروحات حدیث بھی پیش نظر ہیں۔ آخر میں حضرت مولانا نے اپنے مراجع کی فہرست بھی ذکر فرمائی ہے، اس میں تحریر ہے:

فاکتب مایخطر ببالی من حل لغة اوشرح حدیث اوبیان معنی شعر یتعلق بکل جلد. و کان المرجوع الیه فی هذا کله من الکتب مجمع البحار وشروح الحصن الحصین ، والبیضاوی والکشاف ، والمدارک والجلالین،والقاموس والمصباح المنیر،و الصراح وغیرها. . وربما نقلت الحواشی من ذالک النسخة المصححة ایضاً."

حواشی میں بعض روایات کی مختصر تخریج ہے، چند موقعوں پر حضرتؒ مصنف کے اوہام پر بھی توجہ دلائی ہے،احیاء میں جو فقہی مسائل درج ہیں ان میں سے اکثر موقعوں پر حاشیہ میں اس مسئلہ پر فقہ حنفی کا نقطہ نظر درج کیا گیا ہے،جس میں بعض موقعوں پر درمختار وغیرہ کا حوالہ ہے،لیکن اکثر حوالہ مذکور نہیں صرف مسئلہ کی وضاحت ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ حواشی کا اوسط بڑھتا گیا ہے،چوتھے حصہ میں نسبۃً زیادہ حاشیے ہیں،مگر ترتیب اور مباحث ان کی بھی وہی ہے جو ابتدائی حصوں کی ہے۔

حضرت مولانا نے اپنی تحریر کے اختتام پر اس کا بھی ذکر واعتراف کیا ہے کہ اس کام میں،میرے اور امور ومعاملات میں معاون،میرے بھائی مولانا محمد یعقوب نانوتوی بھی میرے رفیق ومددگار رہے ہیں۔حضرت مولانا کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"وقداعاننی فی ذالک اخی وحبیبی، الشاب الصالح، ووزیری فی المصالح، البارع فی العلوم ، المولوی محمدیعقوب، بن مولی الاعظم، فخر علماء العجم،استاذنا واستاذالعالم، ذی الوجه البهی

والغر السمی، المولوی مملوک العلی، تغمده الله برحمته، وافاض علی العالمین من برکاته ببقاء ولده."

آج کے نکمے پن اور سست رفتاری کے زمانہ میں یہ بات نہایت تعجب سے پڑھی جائے گی کہ حضرت مولانا محمد مظہر کو احیاء العلوم کی تصحیح کے اس بڑے، نازک اور پیچیدہ کام میں، جس میں ایک ہزار صفحات پر مشتمل اس کتاب کا آٹھ قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے حرفاً حرفاً لفظاً لفظاً مقابلہ کیا گیا تھا، صرف آٹھ مہینے صرف ہوئے۔ حضرت مولانا نے لکھا ہے:

"وكان الفراغ عن ملاحظة المجلدات الاربع من الكتاب، ومقابلته وتحشيته وطبعه فی زهاء ثمانية اشهر"

چوتھی جلد کے آخر میں مولانا محمد مظہر کے قلم سے ایک صفحہ کا مفصل کلمۂ مصحح ہے، جس کے چند اقتباسات گذر چکے ہیں، اس کا اسی صفحہ پر اختتام بھی ہوگیا ہے، اس صفحہ کی آخری چند سطور میں اور دوسرے صفحہ کے آغاز پر حضرت مصنف امام غزالی کے حالات کا خلاصہ ہے، جو دونوں صفحات کی کل ۱۴ سطور پر مشتمل ہے، اس کے بعد کے تقریباً پونے دو صفحات میں قطعات تاریخ ہیں، جس میں سے پہلے پانچ قطعات تاریخ مولانا محمد یعقوب گم نام نانوتوی کے کہے ہوئے ہیں، پہلے عربی میں چار شعر ہیں، دوسرا قطعہ تاریخ فارسی کا ہے اس میں صرف دو شعر ہیں، تیسرا چوتھا، پانچواں قطعہ تاریخ اردو میں ہے۔ پہلے اور تیسرے میں چار، چار دوسرے میں چھے شعر ہیں، مولانا نے اچھے فقرے نکالے ہیں، عربی قطعہ تاریخ میں تم الخیر سے سنہ طباعت ۱۲۸۰ھ متعین کیا گیا ہے، دوسرے میں لفظ فراغ سے تاریخ نکالی (۱۲۸۱ھ) ہے، تیسرے کا دو تاریخ: لذان امام محمد غزالی ہے، پانچویں اردو مصرعۂ تاریخ دلچسپ ہے، کہا ہے: خوب چھپی خوب

چھپی واہ واہ! ان کے بعد اور بھی کئی قطعات تاریخ ہیں جو فارسی میں ہیں یہ منشی امیر اللہ تسلیم، منشی اشرف علی اشرف، منشی فدا علی عیش، منشی وزیر علی انجم اور منشی کالکا پرشاد موجد کے کہے ہوئے ہیں، فقرات تاریخ کے اختتام پر کتاب تمام ہوگئی اس کے بعد مطبع کا نام سنہ طباعت یا اور کوئی عبارت درج نہیں تاہم مولانا محمد یعقوب کا کہا ہوا ایک فقرۂ تاریخ ان قطعات سے جدا، اصل کتاب کے مضمون کے اختتام پر ص: ۳۰۲ کے آخر میں بھی چھپا ہوا ہے: "ارخ یعقوب لختام احیاء العلوم"

قدتم احیاء العلوم بعون اللّٰہ الوھاب الکریم ۱۲۸۱ھ۔

اس کلمۃ المصحح کے چند اقتباسات آچکے ہیں، مکمل متن زیرِ نظر صفحات اس باب کے اختتام پر درج ہوگا۔

اس نسخہ کی دوسری طباعت احیاء العلوم کا، مولانا محمد مظہر کا مرتبہ یہ نسخہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں مطبع نول کشور سے دوبارہ شائع ہوا، اس نسخہ کی کتابت اور صفحات کی ترتیب وہی ہے جو پہلی طباعت کی ہے، یہ نسخہ بھی پہلی طباعت کے مطابق چار حصوں پر مکمل ہوا ہے، مگر دو چیزیں اس اشاعت کو طبع اول سے الگ کرتی ہیں، اس کی طباعت اگرچہ طبع اول کے مطابق بلکہ وہی ہے، مگر کاغذ پہلی طباعت سے مختلف اور کسی قدر باریک ہے اور شاید اسی کاغذ کی وجہ سے طباعت ویسی صاف نہیں رہی جیسی پہلی طباعت کی تھی نیز دوسری طباعت کے آخر میں بہت مفصل اغلاط نامہ بھی شامل ہے جو پہلی جلد میں موجود نہیں، یہ احیاء العلوم کے جہازی سائز کے تین کالمی صفحہ میں بیالیس صفحات پر مشتمل ہے، جس میں تقریباً تین ہزار آٹھ سو اغلاط کتابت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس طباعت کا بھی ایک مکمل نسخہ ہمارے ذخیرے میں موجود ہے۔

مجمع البحار علامہ محمد طاہر پٹنی کی تصحیح وتعلیق اور پہلی طباعت ۱۲۸۳ھ

مولانا محمد مظہر کا مطبع منشی نول کشور میں قیام مولانا کی علمی جولانیوں کی تکمیل کے لئے ایک اہم موقع ثابت ہوا، حضرت مولانا جو شروع سے ہر دم مشغول زندگی گذارنے اور ہمہ وقت علمی خدمات میں مشغول رہنے کے عادی تھے، مطبع میں آکر بھی اسی طریقہ پر گامزن اور خوب سے خوب تر کی جستجو میں سرگرداں رہے۔ حضرت مولانا نے احیاء العلوم کی طباعت کے دوران یا اس سے بھی پہلے حضرت علامہ محمد طاہر پٹنی کی نادر اور اہم ترین کتاب مجمع البحار کی تصحیح اور اشاعت کا ارادہ فرمالیا تھا، ایسا لگتا ہے کہ یہ حضرت مولانا کا اپنا خیال اور منصوبہ تھا، جس کی مالکِ مطبع منشی نول کشور نے تائید وتحسین کی، حضرت مولانا فرماتے ہیں:

امابعد فيقول العبدالضعيف **محمد مظهر** غفر الله له ولوالديه، منذساقني المقدور الى بلدة لكهنؤ وبواني الدهر بهذاالمطبع، كان يخطر ببالي طبع كتاب في علم لغة الحديث، فان السابقين الاولين من ارباب المطابع، قد بذلوا جهدهم في طبع متوازن الصحاح الستة فرادى، وشروح المشكوة، ونشروا العلم شكر الله سعيهم ونفع بها. ولكن لم يتوجهوا الى كتاب يجمع الجميع. ويتكفل الشرح الكل. فعن لخاطري طبع الكتاب المبسوط، البحر الذخار. المسمىٰ **بمجمع البحار** الانوار في غرائب التنزيل ولطائف الاخبار...

حضرت مولانا نے اس مقصد کے لئے سب سے پہلے مجمع البحار کے قلمی نسخے تلاش کئے، مولانا کی چھ نسخوں تک رسائی ہوئی، جس میں وہ نسخہ بھی تھا جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مدرسہ میں حضرت شیخ کی موجودگی میں لکھا گیا تھا، یہ نسخہ مولانا عبدالشکور مچھلی شہری کے ذخیرہ میں تھا، ایک اور قابل ذکر نسخہ مولانا سید امداد علی مرادآبادی مقیم کانپور کے کتب خانہ سے حاصل ہوا، حضرت مولانا نے اول الذکر نسخہ کو بنیاد اور متن بنا کر اس کا دوسرے قلمی نسخوں سے دقت نظر کے ساتھ مقابلہ کر کے، ایک مکمل اور صحیح متن مرتب فرما لیا۔

جو اغلاط و مشکلات ان نسخوں سے مراجعت کے بعد بھی حل نہ ہوئیں، ان کی تصحیح کے لئے نہایۃ ابن الاثیر، قاموس فیروز آبادی، صراح، تفسیر بیضاوی اور شروحات صحیح مسلم وغیرہ سے مراجعت کی، ان میں جو اضافہ ملا اس کا آپنے مرتبہ نسخہ کے حاشیہ میں اضافہ کر دیا۔

اس میں ایسے اضافے اور توضیحات بھی ہیں، جو حضرت مصنف علیہ الرحمۃ محمد طاہر پٹنی کی تصریحات کے برعکس ہیں اور بعض اس کی تردید بھی کر رہے ہیں، ان کا مقصد یہی ہے کہ پڑھنے والے کو اس کا خیال رہے اور وہ اس سے چوکنا رہے۔ حضرت محقق (مولانا محمد مظہر) نے تأسف کے ساتھ یہ وضاحت بھی کی ہے کہ مجھے شروحات بخاری قسطلانی کرمانی اور طیبی وغیرہ دستیاب نہیں ہوئیں، اس لئے میں اپنے کام اور تحقیق کا دائرہ وسیع کرنے سے قاصر رہا، نیز ایسے موقعوں پر جہاں پیش نظر ماخذ سے کچھ رہنمائی نہیں ملی، میں نے وہ عبارت اور الفاظ نقل کر دیئے ہیں جو اکثر نسخوں میں موجود تھے، اور اس کی طرف کذا فی النسخ سے اشارہ بھی کر دیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایسے موقع پر یہ خیال رہے کہ یہاں غلطی کا احتمال ہے، اور یہ بھی معلوم رہے کہ مصحح نے تحقیق اور تلاش میں بے توجہی کی نہیں ہے۔

حضرت مولانا نے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ میں نے متعدد مقامات پر اصل نسخوں اوران کے طرز کتابت کی پیروی کی ہے، الفاظ اسی طرح لکھے ہیں جس طرح ان نسخوں میں درج تھے، اوران کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے کہ قدیم اہل لغت کے یہاں کچھ ایسی مسامحات ہیں جس میں بعض متاخرین نے بھی متقدمین کی پیروی کی ہے:

"فان امثال هذه المسامحات من المتقدمين ببيان اللغة كثير، وتبعهم في ذلك بعض المتاخرين."

حضرت مولانا اس بڑی علمی خدمت سے رمضان المبارک ۱۲۸۳ھ کے پہلے جمعہ (۴/رمضان۔۱۱رجنوری ۱۸۶۷ء) کو فارغ ہوئے، کتابت وطباعت کا کام بھی ساتھ ساتھ چل رہا تھا، جیسے ہی کام مکمل ہوا طباعت بھی مکمل ہوگئی۔

مجمع البحار کی یہ اشاعت چار حصوں اور ایک تکملہ پر مشتمل ہے، چاروں حصوں اور تکملہ کے صفحات علیحدہ علیحدہ درج کیے گئے ہیں۔ترتیب یہ ہے جلد اول چارسو چھتر (۴۷۶) صفحات حصہ دوم چارسو اڑتالیس (۴۴۸) صفحات سوم پانسو چھپن (۵۵۶) صفحات مع خاتمہ...... چہارم یعنی تکملہ ایک سو چھیاسی (۱۸۶) صفحات، کل مع خاتمہ وتکملہ ایک ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۱۶۶۶) صفحات۔

حصہ اول کے آغاز پر حضرت مصحح کے قلم سے کوئی تمہید یا صراحت درج نہیں، حواشی کثرت سے ہیں مگران میں بھی محشی کا نام موجود نہیں۔حواشی ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں جن کا حضرت مولانا کی عبارت کے حوالہ سے ذکر آ چکا ہے۔

پہلا حصہ باب الراء مع الخاء المعجمہ پر ختم ہوا ہے، آخر میں سنہ طباعت تحریر ہے:

فالحمد للّٰہ علی الاتمام ، وقدوقع الفراغ من طبعه فی شهر رمضان بعون الملک المستعان. من شهور سنة ثلث وثمانین ومائتین والف، من هجرة سیدالانس والجان. وآخر دعواناان الحمد للّٰہ رب العالمین.

دوسری جلد کا افتتاح باب الراء مع الخاء المعجمة سے ہورہا ہے، اس جلد میں پہلی جلد کی نسبت حواشی کم معلوم ہوتے ہیں، اس جلد کے اختتام پر ترقیمہ نسخہ مولف کی نقل ہے، جس سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت مصنف علامہ محمد طاہر پٹنی نے اس جلد کو اپنے وطن پٹن [گجرات ہند] میں رمضان المبارک ۹۷۶ھ (فروری ، مارچ سنہ ۱۵۶۹ء) میں مکمل کیا تھا۔ اس ترقیمہ کی تقریباً آٹھ سطر کی عبارت نقل کرنے کے بعد یہ صراحت بھی ہے کہ:

هكذا وجدنا فی المنقول عنه من عبارة المصنف رحمة الله علیه

پھر لکھا ہے:

فالحمد لله علی اتمام المجلدالثانی. وقدحصل الفراغ من طبعه، فی الشهر المبارک رمضان، من شهور سنة ثلث وثمانین ومائتین من الهجرة النبویه، علی صاحبها الف الف صلوة وتحیة.

جلد سوم حرف العین مع الیاء سے شروع ہوئی ہے جس کا باب پاک / پر اختتام ہوگیا ہے، اور اسی کے ساتھ اس جگہ سے خاتمہ: "یافصل فی علومه واصطلاحاته" کے عنوان سے خاتمہ مصنف کا آغاز ہوگیا ہے، جو صفحہ ۵۵۱ پر ختم ہوا۔ صفحہ ۵۵۲ پر بنو قریش کا نسب نامہ ہے جس میں۔ فخر الرسل سید الاولین والآخرین ﷺ کے نسب نامہ مبارک

کے علاوہ خانوادۂ قریش سے حضرت آمنہ بنت وہب، نیز حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ میں سے جن برگزیدہ حضرات کا شجرۂ مبارک اس شاخ نہال سے وابستہ ہے، اس کی بھی تفصیل بیان کی گئی ہے، جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروق، عثمان غنی، علی بن ابی طالب، حضرت، عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت ابوعبید بن الجراح، حضرت زبیر بن العوام، حضرت خالد بن الولید، اور حضرت سعید بن زبیر شامل ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ شجرہ ایک پورے صفحہ پر آیا ہے۔ دوسرے صفحہ [۵۵۳] پر جناب مصحح ومحشی نے لکھا ہے کہ خلفائے عباسیہ کا عنوان تمام نسخوں میں بلا معنون کے ہے، ان کی تفصیل وتصریح درج نہیں ہے، اس لئے جناب مرتب (مولانا محمد مظہر) نے یہاں روضۃ الصفا کی ایک اطلاع کا اضافہ کردیا ہے:

"اعلم انہ قد وقع فی بیان الخلفاء العباسیۃ فی النسخ کلھا بیاض... فتبین اسمائھم علی وفق مافی روضۃ الصفا"

اس کے بعد حضرت مرتب کا لکھا ہوا مفصل خاتمۃ الطبع ہے، اس میں حضرت مولانا نے اپنے اس کام کے شایان شان انجام نہ پانے، اپنے بے مایہ ہونے، علم وصلاحیت کے فقدان اور فہم وفراست کی کمی کا نہایت عجز وانکسار اور انتہائی تواضع کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

صفحہ ۵۵۵ کے نصف آخر میں حضرت مصنف کے مختصر حالات ہیں جو تذکرۃ الموضوعات کے ایک نسخہ سے نقل کئے گئے ہیں۔ صفحہ ۵۵۶ کے آغاز پر علامہ طاہر پٹنی کے تعارف میں اخبار الاخیار علامہ شیخ عبدالحق محدث کی عبارت درج کی گئی ہے، جو نسخہ

منقول عنہ میں شامل تھی۔ اس کے بعد منشی کالکا پرشاد موجد کے لکھے ہوئے چار قطعات تاریخ اور منشی فدا علی عیش کا ایک قطعہ تاریخ چھپا ہے۔ منشی کالکا پرشاد موجد کے ایک قطعہ تاریخ میں مولانا محمد مظہر صاحب کے نام کی بھی صراحت ہے، ملاحظہ ہو:

چشم فیض کہ مظہر علیش ہست علم طبع او موجزن، علم جو بحر زخار

چوتھی جلد تکملہ مجمع البحار کے عنوان سے علیحدہ چھپی ہے، اس کے صفحات کا شمار بھی جدا ہے، سرورق پر لکھا ہے:

ہذا تزئیل من المصنف، محتو علیٰ مازاد علی الاصل من اللغات او المعانی، وتیسیر الاطلاع علیہا، بعد ترتیب الکتاب وترصیف البال، الذی یدعی.

تکملہ مجمع البحار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار.

تالیف الفاضل الورع الماہر، شمس المفاخر، مولانا الشیخ محمد طاہر، افاض اللہ علینا من برکاتہ.

یہ حصہ یا تکملہ ایک سو چھیاسی (۱۸۶) صفحات پر مشتمل ہے، اس کا آخری عنوان فصل فی فوائد شتی ہے، اسی پر کتاب ختم ہوگئی ہے، اس اختتام پر نہ کلمہ مصحح ہے، نہ سنہ طباعت نہ ہی مطبع کا نام ــــــ

نول کشور کی طباعت کے اور ایڈیشن دنیا بھر میں مجمع البحار کی یہی ایک طباعت ہے جو علامہ طاہر پٹنی کی اس بے مثال تصنیف سے استفادہ کا ذریعہ ہے۔ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی کی اس خدمت اور نول کشور کے مطبوعہ اس نسخہ کو قبول عام حاصل ہوا، یہ نسخہ بار بار چھپا اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ جس طباعت کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہوا ہے یہ

پہلی طباعت ہے، اس کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۷) میں چھپا [یہ دونوں اشاعتیں ہمارے ذخیرہ میں موجود ہیں] اس کے بعد بھی کم سے کم دو مرتبہ اور چھپا ہے، آخری دونوں طباعتوں کا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے مجمع البحار کے، اپنے محقق نسخہ کے تمہید میں مختصر ذکر فرمایا ہے۔ حضرت مولانا اعظمی کی تعلیقات اور کوشش سے یہ کتاب از سر نو تازہ ہوگئی، اس نسخہ کی اصل اور اساس بھی مولانا محمد مظہر کا مرتب کیا ہوا نسخہ ہے ، جس کا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب نے ذکر فرمایا ہے، اور اس نسخہ کا خاتمۃ الطبع بھی اس محقق اشاعت میں شامل کیا ہے، مگر وہاں بھی یہ صراحت نہیں ہے کہ اس نسخہ کے مرتب محمد مظہر، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی تھے۔

جیسا کہ اکثر کتابوں کی طباعت میں ہوتا آیا ہے کہ پہلا ایڈیشن جس کا غذ اور طباعت کا ہوتا ہے دوسری اور بعد کی طباعتوں میں وہ بات نہیں رہتی، ہلکا پن آ جاتا ہے وہی بات اس طباعت کی بھی ہے۔ دوسری طباعت اگر چہ پہلی طباعت کا گویا عکس ہے مگر اس کا کاغذ اور طباعت پہلی طباعت سے کچھ ہلکی ہے، ان دونوں کا یہ فرق بھی قابل ذکر ہے کہ دوسری طباعت میں مولانا محمد مظہر کا لکھا ہوا خاتمۃ الطبع شامل نہیں، جو پہلی طباعت کا اہم حصہ تھا، متاخر طباعتیں بھی اس کے بغیر نامکمل ہیں۔

نسخہ مرتبہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مجمع البحار کا ایک عمدہ محقق نسخہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی سرپرستی میں قلمی نسخوں سے مقابلہ کر کے درست کیا گیا تھا، تصحیح و مقابلہ کی خدمت عربی کے نامور فاضل اور لغت داں، مولانا عبد الحفیظ بلیاوی [مؤلف مصباح اللغات، واستاد ادب عربی، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ] نے انجام دی تھی حضرت مولانا اعظمی نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور تعلیقات کا اضافہ کیا۔ اس نسخہ کی اصل و بنیاد

بھی یہی مولانا محمد مظہر کا مرتبہ نسخہ ہے۔ حضرت مولانا اعظمی کا مرتبہ نسخہ جناب مولانا عبد القادر نورولی [گجراتی، مقیم جدہ] کے مصارف سے دائرۃ المعارف، حیدرآباد سے پانچ جلدوں میں شائع ہوا، جس کی پہلی جلد ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں چھپی اور آخری ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۶ء میں آئی۔ اس کے بعد سے اس کتاب کی دنیائے اسلام میں اشاعت عام ہوگئی۔

بیروت کے اشاعتی اداروں اور مطابع سے مجمع البحار کے نئے ایڈیشن مسلسل سامنے آرہے ہیں اور پوری دنیا میں پھیل رہے ہیں اور یوں حضرت مولانا مظہر کا یہ افادہ اور صدقۂ جاریہ عام ہورہا ہے۔

ترجمہ درمختار، غایۃ الاوطار کی تکمیل میں بھرپور شرکت اور کامل حصہ ۱۲۸۸ھ

علامہ علاؤ الدین حصکفی کی فقہ حنفی پر شہرۂ آفاق تصنیف درمختار، کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ کتاب فقہ حنفی کے اہم اور مقبول ترین بنیادی مراجع میں سے ہے، خصوصاً برصغیر ہندو پاکستان میں تقریباً دوسو سال سے اسی پر اعتماد اور فتوی ہے۔ ریاست باندہ، بندیل کھنڈ، یوپی کے نواب صاحب نے جو نہایت باذوق اور علمی خدمات اور علماء کے نہایت قدرداں اور سرپرست تھے فکر ولی اللہی کے ایک نمائندہ اور صاحب نظر عالم، مولانا خرم علی بلہوری سے اس کے اردو ترجمہ کی گذارش کی، مولانا نے اس کا ترجمہ شروع فرمادیا، مولانا نے ترجمہ کی علیحدہ ترتیب اختیار کی تھی، آغاز کتاب سے ترجمہ شروع نہیں کیا بلکہ کتاب النکاح سے سنہ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۳ء) میں ترجمہ شروع کیا، جو رجب ۱۲۷۰ھ (اپریل مئی سنہ ۱۸۵۴ء) میں اختتام تک پہونچا، اس حصہ کی تکمیل کے بعد ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴/۵۵ء) میں کتاب الحج تک کا ترجمہ مکمل کیا، آخر میں آغاز کتاب سے ترجمہ کی شروعات کی، ترجمہ کتاب الاذان

تک پہنچا تھا کہ مولانا بلہوری اچانک وفات پا گئے۔ یوں یہ ایک بہت بڑا دینی علمی فقہی سفر ناتمام رہ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد (مولانا محمد مظہر کے چھوٹے بھائی) مولانا محمد احسن نانوتوی نے بریلی میں جہاں وہ مقیم اور ملازم تھے، بڑے پیانہ پر دینی علمی کتابوں کی اشاعت وطباعت کا کام شروع کیا، اسی دوران مولانا کو مولانا بلہوری کے اس ترجمہ کا علم ہوا جو ناتمام رہ گیا تھا، مولانا محمد احسن نے کوشش کر کے اور معقول رقم ادا کر کے اس ترجمہ کا ناتمام مسودہ مولانا خرم علی کے وارثوں سے خریدا، اور مولانا خرم علی کے ترجمہ پر مکمل نظر ثانی تصحیح اور ناتمام حصہ کے ترجمہ کی تکمیل کے بعد اس کی طباعت کا ارادہ کیا، اس کام میں مولانا محمد مظہر نے مولانا محمد احسن کا بہت تعاون فرمایا، شروع سے آخر تک مولانا محمد احسن کے رفیق رہے اور ترجمہ، مقابلہ اور تصحیح ہر پہلو سے ان کی بھرپور اور گراں قدر مدد فرمائی۔ مولانا کے فیض توجہ سے یہ ترجمہ مکمل ہو کر غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار کے نام سے چار جلدوں میں مطبع صدیقی بریلی سے چھپا۔ مولانا محمد احسن نے غایۃ الاوطار کی جلد اول کے شروع میں اپنے مفصل دیباچہ میں، ترجمہ کی تکمیل اور مولانا محمد مظہر کے بھرپور تعاون کا نہایت ممنویت کے ساتھ ذکر کیا ہے......... لکھا ہے:

اس کتاب کی تکمیل میں مجھ کو میرے بڑے بھائی جناب مستطاب معلی القاب، مولانا مولوی محمد مظہر صاحب نے بہت سی مدد دی، اللہ تعالی ان کی اور میری سعی کو مشکور کرے۔(۱)

(۱) تمہید یا دیباچہ از مترجم ثانی، غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار۔ ص:۴ جلد اول (مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی: ۱۲۸۸ھ)

جلد اول کے آغاز سے کتاب الصلوٰۃ تک پانچ سو چالیس صفحات ہیں، اسی جلد میں کتاب الصلوٰۃ کے بعد کتاب الحج بھی شامل ہے، اس کے صفحات کا شمار علیحدہ ہے، یہ تراسی (۸۳) صفحات پر مشتمل ہے۔ جلد دوم کا کتاب النکاح سے آغاز ہوا ہے، یہ جلد کتاب الوقف تک کے مسائل پر مشتمل ہے اور چھ سو آٹھ صفحات پر آئی ہے۔ تیسری جلد بیوع سے کتاب الھبہ کے اختتام تک ہے، اس کے کل پانسو گیارہ (۵۱۱) صفحات ہیں۔ چوتھی جلد کتاب الاجارۃ سے آخر تک ہے، اس کا مضمون صفحہ (۵۱۴) پر پورا ہو گیا ہے، صفحہ ۵۱۴ پر مفصل خاتمۃ الطبع ہے، اسی صفحہ ۵۱۴ کے آخر سے ۵۱۵ کے اختتام تک قطعات تاریخ شامل کیے گئے ہیں۔ پوری کتاب ساڑھے بائیس سو صفحات پر آئی ہے، قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ اس کی تکمیل میں حضرت مولانا محمد مظہر کا کم سے کم نصف حصہ ضرور ہے۔

اس کتاب یا ترجمہ میں جیسا کہ مولانا محمد احسن نے صراحت کی ہے، مولانا اور ان کے برادر اکبر، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کا کام صرف باقی ترجمہ کی تکمیل کا نہیں، بلکہ مولانا نے، مولانا خرم علی صاحب کے کیے ہوئے ترجمہ کی حرفاً حرفاً تفصیل سے نظر ثانی کی، اس کی اغلاط کو درست کیا، تذکیر و تانیث کی اصلاح کی اس طرح کہ موجودہ نسخہ کے ایک ایک حرف حرف کی ذمہ داری دونوں صاحبان کی ہے۔

غایۃ الاوطار کا مکمل نسخہ چار جلدوں پر مشتمل ہے، اس کی پہلی جلد مولانا محمد احسن کے مطبع صدیقی بریلی سے ۱۲۸۸ھ میں نکلی تھی، پہلی جلد کے سرورق پر لکھا ہے:

مطبع صدیقی واقع بریلی، باہتمام مولوی محمد منیر مطبوعہ ہوا۔

غایۃ الاوطار کا مطبع صدیقی سے ایک ایڈیشن غالباً اور بھی چھپا تھا، غالباً دو مرتبہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے چھپی، پاکستان سے ایک ایڈیشن مطبع سعیدی کراچی سے شائع ہوا

اوراداروں نے بھی شائع کیا ہے۔ مطبع صدیقی کی پہلی طباعت کا چار جلدوں پر مشتمل ایک مکمل عمدہ نسخہ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔

مولانا حسین علی کے تفسیری افادات بلغة الحیران کا مولانا محمد مظہر سے کچھ تعلق نہیں

حضرت مولانا محمد مظہر کے آخری دور کے شاگردوں میں ایک معروف عالم، مولانا حسین علی، واں بچھراں والی ضلع میاں والی (پاکستان) تھے، جو حضرت مولانا گنگوہی کے بھی شاگرد تھے، مولانا حسین علی نے مولانا محمد مظہر سے اور درسیات کے علاوہ درس تفسیر بطور خاص پڑھا تھا، مولانا حسین علی کی وفات کے بعد مولانا کے درسی افادات کا ایک مجموعہ جو مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے مرتب کیا ہے ''بلغة الحیران فی ربط آیات القرآن'' کے نام سے مکتبہ حنفیہ گوجراں والا پاکستان سے چھپا ہے۔ جو ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل ہے، سنہ طباعت درج نہیں۔

کئی سال سے پاکستان کی بعض تحریروں کتابوں خصوصاً اس کتاب کے اشتہار میں، اس کو حضرت مولانا محمد مظہر کے افادات تفسیر کا مجموعہ لکھا جاتا ہے، جو خلاف واقعہ ہے۔ بلغة الحیران میں کہیں اس کا تذکرہ نہیں کہ یہ حضرت مولانا محمد مظہر کے افادات ہیں، یہ تمام مباحث مولانا حسین علی صاحب نے حضرت مولانا سے اخذ کیے تھے۔ اگرچہ مولانا حسین علی نے آغاز کتاب میں مولانا محمد مظہر سے اپنے تلمذ کا اعتراف کیا ہے مگر کسی استاذ سے تلمذ کا اعتراف اور ہے کسی کتاب یا افادات کو ان سے منسوب کرنا اور۔

کتاب کی تمہید میں تقریباً آٹھ صفحات پر وہ سندیں درج ہیں، جو مولانا حسین علی صاحب کو ان کے اساتذہ نے عنایت کی تھیں، ان میں سے آخری سند میں جو خود مولانا

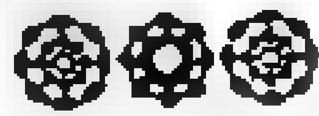
حسین علی کا تحریر کیا ہوا اجازت نامہ ہے، یہ صراحت ہے کہ مولانا حسین علی نے حضرت مولانا محمد مظہر سے پڑھا ہے۔ تحریر ہے:

اما بعد فیقول حسین علی بن محمد بن عبداللہ قرأت تفسیر القرآن علی الشیخ محمد مظہر، عند الشاہ اسحاق... (کذا) ص:

جس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے تفسیر قرآن مجید حضرت مولانا محمد مظہر سے پڑھی تھی اور مولانا محمد مظہر فن تفسیر [میں بھی] شاہ محمد اسحاق کے شاگرد تھے مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ بلغة الحیران میں درج افادات بھی مولانا محمد مظہر کے ہیں، صحیح نہیں۔

یہ مولانا محمد مظہر کے معلوم و دستیاب علمی آثار کا مختصر تعارف ہے، ضرورت ہے کہ ان سب کتابوں کو موجودہ معیار کے مطابق تحقیق و حواشی مزین کر کے عمدہ طریقہ پر شائع کیا جائے تاکہ مظاہر علوم کے اکابر کی علمی خدمات کا استفادہ اور تعارف کا دائرہ مزید وسیع ہو۔

یا اللہ! یا اللہ! میری یہ گذارش اور درخواست و تمنا ارباب علم و فضل تک پہنچے اور صدا بصحرا ثابت نہ ہو۔ اللّٰھم آمین۔



مولانا حسین علی صاحب کے تعارف کے لئے دیکھئے۔
نزہۃ الخواطر، مولانا حکیم عبدالحی حسنی ص:۱۲۳ ص:۱۲۳ ج:۸ (حیدرآباد ۱۴۲۰ھ)
نیز تذکرہ (شیخ القرآن) مولانا غلام اللہ خاں، مرتبہ عبدالمعبود۔ ص:۱۳۔۱۹ مکتبہ رشیدیہ لاہور بلا سنہ۔

خاتمۃ الطبع ،احیاء العلوم،امام غزالیؒ

از حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

مطبوعہ مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ

الحمدللّٰہ الذی بعث فی الامیّین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویعلمهم الحکمة والکتاب وأرسله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله، وتبصرة وذکری لأولی الالباب،وجعله نوراوسراجا منیرا، یهتدی به الناس فی ظلمة لیل الشک والارتیاب.وکشف له عن أعلی الملکوت وسناء الجبروت،وعظم علیه فضله، واسبغ علیه نعمه ظاهرة وباطنة، بلاعد ولاحساب.

والصلوٰة والسلام علی رسوله سیدنا ومولاناوشفیعنا محمد،أفضل من أوتی الحکمة وفصل الخطاب،وعلی آله واصحابه الذین هم لإحیاء علوم الدین واماتة رسوم الکفر خیر آل واصحاب.

اما بعد فیقول العبد الضعیف **محمدمظہر** غفر اللّٰہ له وتجاوز عن سیئاته ان اجل الکتب فی سلوک الآخرة واکملهاواحسنها ضبطا واشملها، وارشق عبارة واتم اشارة، واعظم شانا واوفی بیانا،واعلی کلاما واشرف منزلة ومقاما، هوهذاالکتاب المسمی **باحیاء علوم الدین**، وانه لحری بان

يكتب بماء الذهب لابماء العيون،بل بسويداء القلوب أوبسواد العيون.وان وعظه اولى بان يستمع،وانه لحق والحق أحق ان يتبع.

ولقد ابلغ فيه المصنف الفاضل العلامة،العارف الفهامة،ان اوجز اوجز باتم دلالة،وان اطنب اطنب من غيرسآمة وملالة،فله الفضل والثناء الجميل، والمنة والثواب الجزيل. ولكن بلغ من ايدى النساخ فى الاختلاط والاختلاف غاية وجدا،واشتبهت الالفاظ والعبارات جدا.وقد طبع هذاالكتاب مرتين فى مصر، وانتسخ من ذلك المطبوع ماطبع فى مرهة بالاثر،ولم ينهض أرباب هذه المطابع إلى التشمرلرفع الأغلاط الذى هالهم،إمالعدم اكثراتهم مع وفورالنسخ أوعدم تيسرهالهم فدخلت في المتن عبارات كانت فيه غير داخلة،وخرجت عنه عبارات كان المتن لهاشاملة، ومسخت صور اللغات الغريبة ،ونسخ بدله هيولى الالفاظ القريبة، ولاغروفيه ففى المثل السائر: كم ترك الاول للآخر.

ولما رأيت السعى فى تصحيجه اهم واحرى، أردت طبعه مرة اخرى،مستخيرا بالله تعالىٰ وتقدس، ومستمداً بروح مصنفه المقدس، فتيسرلى بعون الله سبحانه،من النسخ المكتوبة جمع ست اوسبع. واحدة منها كانت فى اقصى درجة الصحة، قد قابلها بعض الاعلام من العلماء، بنسخ عديدة وزينها بالتحشية وتحرير الاختلافات فى مدة مديدة، والاخرى كانت قديمة معربة بخط حسن وهيئة معجبة.فقابلت

النسخة المصرية بالمكتوبات،وتتبعت المقامات المشتبهات فيها بالتصفح والعرض، وسويت نسخة واحدة منها بمقابلة بعضها ببعض،واثبت فى المتن ما كان عليه أكثر النسخ، وأبقيت ونبذت ماوراء ذالك على الحاشية والقيت الامافضل على اصل المطلب وزاد،وكان غير مخل بالمراد، فقفوت فيه بالنسخة المصرية معلما عليه لفضله وتقدمه:

فلوقبل مبكاها بكيت صبابة بسعدى شفيت النفس قبل التندم
ولكن بكت قبلى فهيج لى البكاء بكاها فقلت،الفضل للمتقدم

وكتبت حل بعض اللغات والاشعار على الحاشية، تيسير الفهم الطالبين وزيادة فى رغبة الراغبين، واما ماكان سهلا غير عسير على الافهام، اوالذى كنت لم افهم لقلة التدبر منى والاهتمام ،فلم اتعرض له بالبيان ،ولم اقف ماليس لى به علم وحسبان.

وانت ايهااللبيب لو وجدت فى موضع، وستجدفى مواضع كثيرة شرحا للفظ على خلاف المرام،اوتغير اللفظ بمالايلائم المقام،فحمله على قصورفهمى،وعدم درايتى للكلام. واعلم ايضا انه ربما يتطرق الغلط من ايدى الطابعين لقلة مبالاتهم، وينفصل الموصول، ويتصل المفصول من مساهلاتهم. سيما اذاكان المقصود طبع كتاب فى مدة يسيرة،واختتامه مقصورا على غاية قصيرة. كما اتفق فى هذا الكتاب.
فان ثلثة نفر من النساخ كانواينسخون مجلدات منه كل واحد منهم

جلدا على حدة، او يكتبون كتبا وابوابا من مجلد واحد، وكل مايكتب يطبع باسرع ماكان، وقليل اوان.

وفي اثناء ذلك اختطف فرصة، واختلس من الدهر برهة، فاكتب مايخطر ببالي من حل لغة اوشرح حديث او بيان معنى شعر يتعلق بكل جلد، وكان المرجوع اليه في هذا كله من الكتب، مجمع البحار، وشروح حصن الحصين، والبيضاوی، والكشاف، والمدارک، والجلالين، والقاموس. والمصباح المنير، والصراح وغيرها. وربما نقلت الحواشي من ذالك النسخة المصححة ايضا.

وكان الفراغ عن ملاحظة المجلدات الاربع من الكتاب، ومقابلته وتحشيته وطبعه في زهاء ثمانية اشهر.

وقد اعانني في ذلك اخي وحبيبي، الشاب الصالح، ووزيري في المصالح، البارع في العلوم، المولوی محمد يعقوب بن المولى الاعظم، فخر علماء العجم، أستاذنا وأستاذ العالم، ذي الوجه البهي والغر السمي المؤلوی مملوک العلي تغمده الله برحمته. وافاض على العالمين من بركاته، ببقاء ولده. وقد الحق بالكتاب هذ الاخ المكرم، عدة مادة من تواريخ الاختتام، بالسنة مختلفة واجاد، فضممناها اخر الكتاب، والله المسئول ان ينفعنا به اخواننا المسلمين، انه خير موفق ومعين. (۱)

(۱) احیاء العلوم ص:۳۰۴/۳۰۵ جلد رابع مطبع منشی نول کشور (طبع دوم مطبوعہ، شوال سنہ ۱۲۹۰ھ) (دسمبر ۱۸۷۳ء) طبع اول لکھنؤ: ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۵ء) ص: ۳۰۴/۳۰۵۔

تاریخ عربی از نتائج طبع، جناب مولوی محمد یعقوب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

قدتم احیاء العلوم وطبعه	فی حسن تحشیة وحسن نظام
تجلی العیون ملاحة ولطافة	فجلاءه کالنور بین ظلام
بازین مطبوع وحسن کتابة	تحکی صفاء الورد فی الاکمام
قد کانت الاحیاء خیرا کله	ارخت تم الخیر بلا تمام ۱۲۸۱ھ

تاریخ فارسی منہ مدظلہ

احیا کہ بود علوم را چشم و چراغ	از زینت طبع سنگ شد روکش باغ
چون سال شروع آن گرامی آغاز	تاریخ فراغ گشت اولفظ ۱۲۸۱ھ فراغ

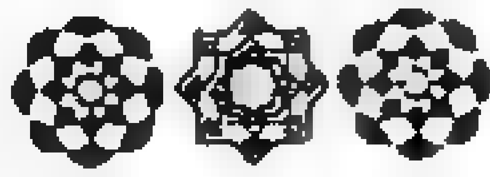
ایضا منہ دام فیضہ

چو مطبوع دلہا شد احیائے مطبوع	بصورت بسیرت باوصاف عالی
صحیح و محشی، بخط نگارین	پر از جملہ لطف از ہمہ عیب خالی
بہنگام و اتمام طبعش روان شد	پئے فکر تاریخِ کلکِ خیالی
بنام مصنف چنان بست نقشے	از انِ امامِ محمد غزالی

تاریخ اردو منہ دام ظلہ

طبع احیا ہوئی مکرر خوب	کیا ہی با آب وتاب تحشیہ سے
یوں کئی بار چھپ چکی پہلے	اب چھپی لاجواب تحشیہ سے

فیض منشی نول کشور سے ہے	یہ تمام، اس کی آب تحشیہ سے
مجھے تاریخ تحشیہ کا ہے فکر	ہے مجھے انتساب تحشیہ سے
سن کے گمنام نے صلاح. یہ دی	اس کا دیکھو. حساب تحشیہ سے
غیب سے تب ملی عجب. تاریخ	کیا ہے زیب کتاب تحشیہ سے ۱۲۸۱ھ
ایضاً منہ دام مجدہ	
چھپ کے یہ احیا ہوئی جس دم تمام	فکر نے تاریخ کی لی راہ راہ
گوکہ نہیں ڈھب مجھے پر غور سے	سوجھ ہی جاتی ہے کوئی گاہ گاہ
حضرت گمنام نے سن کر کہا	ڈھونڈتا پھرتا ہے تو کیوں خوامخواہ
لکھ سراحیا سے یہ تاریخ خوب	خوب چھپی، خوب چھپی، واہ واہ ۱۲۸۱ھ



خا تمة الطبع ، مجمع البحار، علامه طا هر پٹنی

از حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

الحمد لله خالق الارض والسماء، ذی العظمة والكبرياء، والجلال والثناء والألاء. والصلوة والسلام الأتمان، على سيدنا ومولانا وشفيعنا محمد سيد الانبياء، وا له مصابيح الهدى الاتقياء، واصحابه الكرام البررة الاصفياء.

امابعد فيقول العبد الضعيف **محمد مظهر** غفر الله له ولوالديه: منذ ساقنی المقدور الى بلدة لكهنؤ، وبوّانی الدهر بهذا المطبع، كان يخطر ببالی طبع كتاب فی علم لغة الحديث، فان السابقين الاولين من ارباب المطابع قد بذلوا جهدهم فی طبع متون الصحاح الستة فرادى، وشروح المشكوٰة، ونشروا العلم شكر الله سعيهم ونفع بها، ولكن لم يتوجهوا الى كتاب يجمع الجميع ويتكفل الشرح الكل فعن لخاطری طبع الكتاب المبسوط البحر الذخار، المسمىٰ **بمجمع بحار الأنوار فی غرائب التنزيل ولطائف الأخبار.**

فانه لعدم طبعه الى هذه الاوان واختفاء ابكار محباته عن ابناء الزمان لم يطمثهن انس ولاجان. ومع ذلك جمع وجازة اللفظ

وبسط المعانی، وتهذيب العبارة وتشييد المبانی، وانه كالأساس لعلوم الدين ومشكلاته، واصل لضبط كلياته وجزئياته، ومايحصل بجهد ومطالعة كتب متفرقة واسفاريحصل منه دفعة بسهولة واختصار، وانه كاسمه مجمع لتفسير القرآن،وشرح غرائب الاحاديث والآثار، ومعالم لكشف انوارالتنزيل وعلوم الاخبار،جودة الفاظه نورعلى نور،ووضوح معانيه يشرح الصدر، وعذوبة بيانه يكادزيتها يضئ ولولم تمسسه نار.

واليه يرجع كل من حاول شرح لغة وبيان ماينا سب المقام اوتصدى لتحقيق الكلام على مقتضى المرام. ولعمری انشاء الله انه لكتاب عزيز، ببذل الارواح والانفس. جديروحقيق وسيضرب الناس اليه بعد الختم باكباد ابل، ياتين من كل فج عميق.

وقد كان يراودنی فی ذلك الذی انافی بيته وخدمته، كبير القوم البعيد عن اللوم، محب العلوم واهاليه،مروج الفنون وذويه، مجمع الجود والافضال،جامع ارباب الفضل والكمال،اعنی جناب من اعطاه اليه صيتا وجمالا،وخدما واموالا، واتاه الدنياذليلة، وانعم عليه نعما جزيلة، صاحب المطبع العالی المنشی نول كشور، ذی الفخر والمعالی، ولكن انا لقصورباعی وقصرذراعی، وازجاء بضاعتی واتساعی،وقلة فقهی وكياستی، ونقصان التحصيل فی علم الحديث ودراستی، وكثرة همومی وافكاری، واستيلاء الدواهی

علیّ وعلی اعوانی فی هذاالخطب، والنصاری' اقدم رجلا واوخر اخری، والزم حمية الندم،واری الاحجام عنه اخری،واستعفيت عنه مراراً، فاصر دماعفانی والح علیّ حتی الجانی. فاتبعت امره لموافقته مركوز خاطری، واجبت دعوته رجاء ان يقربه يوم القيمة ناظری.

وللّٰه حسن سعيه فی بذل القناطير المقنطرة، فی جمع المواد والاسباب، وجمع نسخ الكتاب من اطراف البلاد، حيث حصل ست نسخ منه. واحدة منها كانت قديمة منقولة عن نسخة المؤلف. واخری طلب من مچهلی شهر، من عند الفاضل الاجل **المولوی عبد الشكور** ابقاه اللّٰه الی يوم النشور. واخری من دهلی. واخری من كانپور من العالم العامل الفقيه الكامل **المولوی السيد امدادعلی** سلمه اللّٰه العلی. واخری اشتراها لمائة روبية. وبعض أخرجئ بها من مواضع غيرماذكر.

ولقد كانت تطرقت الاغلاط إلى سائرها، ومسخت صور الغرائب، فتعسر تميز الصحيح منها، ولم اجد نسخة مصححة اقفواثره، فاستشكل علی التصحيح، الاطلاع علی الصحيح، فراجعت فی امثال هذا الی النهاية،وشرح المسلم ،والقاموس، والصراح، والبيضاوی، وغيرها. فماوجدت فيها من زيادة اضفت اليها، وغرضی من نقل عبارة النهاية والقاموس وغيرهما

على الحاشية، اما توضيح المقام اوبيان الاختلاف اوتصحيح مافرط من قلم النساخ.

والطالب الفطن يفهم ان المذكوران كان موافقا للكتاب فهو شرح له وايضاح، أومخالفا فتنبيه وايقاظ، اوغير ذلك. فلايخلوعن فائدة وزيادة، ولم يتسرلى الرجوع الى كرمانى، وقسطلانى، والطيبى، فيما اشتبهت الفاظها اواختلطت عباراتها لقلة الفرصة ولعدم نسخها عندى، فنقلتهافى تلك المقامات على حسب ماوجدت فى اكثرنسخ المجمع، واشرت فى بعضها بقولى: كذا فى النسخ، لدفع توهم غلط الكاتب، ورفع احتمال عدم تدبر المصحح والطابع.

واعلم ان النسخ قد اتفقت فى كثير من المواضع على كتابتها بغير المتعارف، كتلى يتلوا بالياء، والدفوبالواو، والريا بالالف، وغيرها مماستطلع عليه اذا طالعته، فلم اتصرف فيها من قبل نفسى، وتركته على حسب ما كتب فى الاصول، اعتمادا على فهم الطالب، وتساهلا فى ذلك منى. واقتفاء بالسيدين السابقين، صاحب المجمع والنهاية، وربما تجد فى بيان الالفاظ تقديما وتاخيرا، كذكر مايتعلق بالميم قبل اللام، والجيم قبل الباء، فلم اتعرض له ايضا، ولاتصديت للتنبيه عليه. فان امثال هذه المسامحات من المتقدمين فى بيان اللغة كثير، وتبعهم فى ذلك بعض المتاخرين.

فالمرجو من الاخوان ان ینظروا الیه بعین الاحسان، وان لاینسونا عن دعاء الخیر ،ولثبات علی الایمان. ولایفصحونا بین الخطیات والسقم، وماجری فیه من الزلات وطغیان القلم، ولیعفوا ولیصفحوا. فانی وان بذلت فیه جدی وجهدی، وصرفت فیه طاقتی ووجدی، لایخلوعن خطأ ونسیان. وختم اللّٰه لنا بالخیر والسعادة بدعائکم ایها الاخوان، وجعله سببا لرضاه، ووسیلة الی شفاعة سید الانس والجان، وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین.

وکان الشروع فی کتابته وطبعه، بعدعید الفطر من سنه ۱۲۸۲ ھ والاتمام بعون اللّٰه وکرمه، وحسن توفیقه فی اول جمعة من شهر رمضان سنة ۱۲۸۳ ھ، ببلدة لکھنؤ من بلاد الھند. فی المطبع العالی المنشی نول کشور، شکر اللّٰه لسعیه المشکور، ووفقه للخیر، ودفع عنه کل ضیر.(۱)

(۱) مجمع بحار الانوار علامہ محمد بن طاہر پٹنی ص: ۵۵۲/۵۵۳/۵۵۴۔ [بتصحیح وتحقیق مولانا محمد مظہر نانوتوی] طبع اول۔ مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ: رمضان المبارک ۱۲۸۳ھ (جنوری، فروری سنہ ۱۸۶۷ء)
مجمع بحار الانوار کے مطبع نول کشور سے اس کے بعد تین ایڈیشن اور چھپے ہیں مگر بعد کی تینوں طباعتوں میں حضرت مولانا محمد مظہر کا لکھا ہوا خاتمة الطبع شامل نہیں پہلی اور دوسری طباعت ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔

باب سوم

مولانا کی مرتب کی ہوئی ایک رپورٹ اور جلسہ میں کی گئی ایک تقریر

حضرت مولانا محمد مظہر مظاہر علوم کے بنیادی رکن تھے اور (جیسا کہ ذکر آچکا ہے) تعلیم کی بے پناہ ذمہ داریوں کو نباہنے کے علاوہ، مدرسہ کی ہر طرح سے مدد، سرپرستی اور ہر اک شعبہ کی ترقی وتوسیع کے لئے ہر وقت موجود رہتے تھے، مدرسہ کے حسابات مرتب کر رہے ہیں، چندہ لا رہے ہیں، امتحان لے رہے ہیں، طلبہ کو انعام تقسیم کر رہے ہیں، اور روداد ترتیب دے رہے ہیں، تعمیر اور مطبخ کی نگرانی کر رہے ہیں، مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں مدرسہ کی رپورٹیں پیش کر رہے ہیں اور مدرسہ کے تعاون کے لئے حاضرین کو توجہ دلا رہے ہیں، حضرت مولانا کے اس تعاون اور مصروفیت کا مدرسہ کی رودادوں میں بار بار ذکر آیا ہے، جس کے متعدد اقتباسات گذر گئے ہیں:

مدرسہ کے سنہ ۱۲۹۱ھ سالانہ جلسہ میں مولانا نے ایک رپورٹ پیش کی تھی اور اس کے بعد والے جلسہ سنہ ۱۲۹۹ھ میں تقریر فرمائی، یہ دونوں مدرسہ کی رودادوں میں محفوظ ہیں۔ چوں کہ مولانا کی مفصل اور تحریر اور تقریر کا کوئی نمونہ راقم سطور کے علم میں نہیں، اس لئے یہ رپورٹ اور تقریر یہاں پیش کی جا رہی ہے۔

کیفیت (رپورٹ) مدرسہ، پیش کردہ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

جلسۂ مدرسہ سنہ ۱۲۹۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ العزیز العلام والصلوٰة والسلام علی رسولہ محمد سید الانام وعلی آلہ العظام واصحابہ الکرام. امابعد!

حاضران جلسہ کی خدمت میں التماس ہے کہ امتحان سالانہ ۱۲۹۸ھ۔ ۱۹رشعبان کو بخیر وخوبی ہوا، مولوی محمد احسن صاحب نے ومولوی فیض الحسن صاحب نے امتحان تقریری وتحریری لیا، الحمدللہ اکثروں نے جواب اچھے لکھے۔ مولوی احمد علی صاحب کے صاحبزادوں نے بخاری شریف مدانعام میں عنایت فرمائی، اور مولوی فیض الحسن صاحب نے ۱۳ر نسخے تحفۂ صدیقیہ اور پانچ نسخہ حاشیہ جلالین کے دیئے۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے غایۃ البیان اور جناب مولوی عبدالرحمان خان صاحب مہتمم مطبع نظامی نے ۱۰ر نسخہ اتقان، اور ۵۰ر نسخہ فیض عام اور ۱۰ر مرتع اور ۱۰ ابست سورۃ اور چار سیپارہ مترجم کے ۲۵ر نسخہ، اور حافظ کریم الدین صاحب نے فتوح الغیب ایک نسخہ، تقسیم کے لئے عنایت کئے اور نقد اس تفصیل سے وصول ہوا:

مولوی نجف علی صاحب	دو روپے	حافظ احمد حسین صاحب	چار روپے	مولوی ظہور محمد صاحب	چار روپے
حافظ محمد فضل حق صاحب	دو روپے	ایز د حسن صاحب وکیل	دو روپے	قاضی فضل الرحمٰن خانصاحب	ایک روپے
مولوی محمد قاسم صاحب	ایک روپے	محمد یوسف پسر منشی فضل علی صاحب	ایک روپے	مولوی ناظر حسن صاحب وکیل	دو روپے
شیخ قدرت اللہ صاحب	ایک روپے	عبداللہ خانصاحب وکیل	آٹھ آنے	میر جمعیت علی صاحب وکیل	ایک روپے

یعنی اکیس روپئے آٹھ آنے کل امسال حصول ہوئے، جو خریداری کتب انعامیہ میں خرچ ہوئے۔

کیونکہ کتب انعام سوائے کتب مرقومہ بالا کے تیس روپے ، ساڑھے ۱۵، آنہ کی خرید دی گئی، پس نو روپے ساڑھے سات آنے زائد از زر موصولہ امسال سے اس مد میں باقیات سنہ ناضیہ سے خرچ میں آئے۔ اور بعض کتابیں اور قرآن شریف سال گذشتہ کی باقیات میں سے انعام میں صرف ہوئے، اور امسال کی کتب موصولہ میں چند نسخہ کتب کے جو بچے ہیں وہ انشاء اللہ تعالی سال آئندہ میں اسی مد میں صرف کئے جاویں گے۔

سال گذشتہ کی امتحان کی کیفت میں ممتحن صاحب نے درج کیا تھا کہ چند امور اس مدرسہ میں تکمیل طلب ہیں؛ مہتمم صاحب کو ان کا لحاظ ضروری ہے، جن کی شرح کیفیت ۱۲۹۷ھ میں مندرج ہے۔ امسال ان امور کی رعایت کی گئی، جس کے باب میں ممتحن صاحب یہ لکھتے ہیں کہ میں مہتممان مدرسہ کا مشکور ہوں کہ، جن امور پر توجہ کرنے کی درخواست سال گذشتہ میں کی ہے، ان پر حضرات موصوفین نے بہت کچھ توجہ فرمائی۔"

اس بار تاریخ ۱۹/۲۰ رشعبان ۱۲۹۸ھ کو امتحان تحریری و تقریری کچھ دفعات اعلی و بعض درجات ادنی کا، اور کسی قدر تحریری اور اکثر تقریری لیا، مولوی نور محمد لدھیانوی نے کتب صحاح وغیرہ میں بہت اچھا امتحان دیا، اور مالابد کی جماعت نے سب کے سوالوں کے جواب اچھے بتائے، شرح ملا کی جماعت کو مسائل بخوبی یاد نہیں۔ اگر خواندگی ماہانہ کے مطالب ہر ماہ کے اختتام پر مدرسین، ان سے سوال و جواب کے طور پر سن لیا کریں، تو بہت اچھا ہو، حساب علی العلوم اچھا ہے، اور باقی نتائج امتحان قابل اطمینان ہیں۔

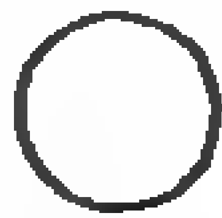
ملاحظہ فہرست خواندگی مدرسہ سے معلوم ہوا کہ، مالابدمنہ اور حساب متعلق مولوی ثابت علی معین فارسی کے ہے، ان کی سعی اور جانفشانی کی مشکوری مہتمان مدرسہ کو یاد دلاتا ہوں۔ اور یہ وہ شخص ہیں کہ امسال تحصیل علم حدیث یعنی کتب صحاح سے ان کو فراغت حاصل ہوئی ہے بحول اللہ وقوتہ۔

امسال کل طالب علم وقت امتحان ۹۵ رہیں، ۲۴ رغیر حاضرا ئے رحاضر ۔واضح ہو کہ اس مدرسہ کی بناء ۱۲۸۳ھ میں مولوی سعادت علی صاحب مرحوم نے ڈالی ہے، جس کو پندرہ برس کا عرصہ ہوا، اس اثناء میں بحمدللہ جو لوگ تھوڑی کتابیں یہاں سے پڑھ کر چلے گئے، ان کی تعداد بہت کچھ ہے، لیکن جو لوگ پوری تحصیل کر چکے ہیں یا بڑی کتابیں تحصیل پڑھ چکے ہیں، ان کا ذکر کرتے ہیں: مولوی میر باز خان صاحب واعظ مسجد جامع، مولوی جمعیت علی صاحب مدرس مدرسہ ہذا، مولوی سراج الدین صاحب پنجابی، مولوی راغب اللہ صاحب مدرس مدرسہ پانی پت، مولوی عزیز حسن صاحب، حافظ قمرالدین صاحب، مولوی پیر محمد صاحب، مولوی امین الحق صاحب، مولوی احمد اللہ صاحب بنگالی خلیفہ محمد زکریا صاحب، مولوی محمد احسن صاحب مرحوم، پسر مولوی محمد حسین صاحب، حافظ عبدالرحمٰن صاحب پسر مولوی فضل الرحمٰن صاحب، مولوی ابوالحسن صاحب مہتمم جامع مسجد، مولوی ناظر حسن صاحب وکیل عدالت، مولوی خدا بخش صاحب، میاں جی حسن علی صاحب، مولوی عنایت اللہ صاحب مولوی انوار احمد صاحب ساکن امیٹہ، مولوی عبدالقادر صاحب پسر مولوی موسیٰ صاحب پنجابی، حافظ غلام محمد صاحب پنجابی، مولوی محمد حسن صاحب پنجابی، مولوی منصور علی خانصاحب مدرس مراد آباد، مولوی احمد الدین صاحب، حافظ فضل الرحمٰن صاحب پسر مولوی محمد احسن صاحب، مولوی ناظر حسن صاحب دیوبندی مولوی کمال الدین صاحب مدرس انبالہ، مولوی خلیل احمد صاحب مدرس بہاولپور، مولوی ثابت علی صاحب، حاجی اسماعیل صاحب ساکن حصار۔ مولوی الٰہی بخش صاحب ۔ملا محمد غوث صاحب ۔حکیم صدیق احمد صاحب حافظ کریم الدین صاحب، سید اشرف علی صاحب سلطانپوری، حافظ محمد حیات صاحب، مولوی میر حسن صاحب، مولوی عبداللطیف صاحب، حافظ عبداللہ صاحب۔

علاوہ اس کے ۱۲۹۵ھ کی کیفیت میں مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے ۳۸ ر اشخاص کے نام درج کئے ہیں، جن کی تفصیل پہلے مطبوع ہو چکی ہے، اور سوا ان کے بہت ہیں، جن کی تفصیل بخوبی ملاحظہ کیفیات سالانہ ہر سال سے واضح ہے۔

اب جو صاحب کچھ چندہ دیگر شریک حسنات ہوئے ہیں، ملاحظہ اور غور کریں کہ کس قدر نیکیاں ان کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور اس تھوڑے سے مصارف میں کتنا اجر ان کو ملتا ہے، دیکھو اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: قل رب زدنی علما یعنی اے نبی تو کہہ دیا یا رب مجھ کو علم زیادہ دے۔ پس باوجود اس کے کہ نبوت کا رتبہ جو سب مراتب سے عالی ہے حضرت کو حاصل تھا، لیکن پھر بھی علم کی زیادت کی طلب کے لئے تلقین فرمائی، اور حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ یعنی جز ایں نیست کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس کی بندوں میں سے علماء، پس جب خوف وخشیت علماء کے دل میں زیادہ ہے، تو لاجرم اللہ تعالیٰ کی اولیاء میں ہوئے کہ: ان اولیاءہ الا المتقون ۔ یعنی نہیں اللہ تعالیٰ کے دوست مگر متقی۔

دوسری جگہ فرمایا: ولمن خاف مقام ربہ جنتان اور جو ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوتن سے ان کے لئے دو باغ ہیں۔ پس اے صاحبو! ایسے امر خیر کی ترویج میں کاہلی نہ کرنی چاہئے، اور جو کچھ معینہ ہے اس کو بہ خوش دلی وقت پر ادا کرنا چاہئے، اور ترقی کی کوشش رہے۔ جو صاحب اس میں پہلے سے شریک نہیں ہیں، ان کو شریک ہو کر خوشنودی اور رضامندی خداوندی کا انعام حاصل کرنا چاہئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت اور اس بار گراں کی تحمل میں کہ: انا سنلقی علیک قولاً ثقیلا۔ کمر ہمت کی چست باندھنی چاہئے۔(۱)



(۱) کیفیت (روداد) سالانہ، مظاہر علوم۔ سنہ ۱۲۹۸ھ .....ص:۹-۱۰ (مطبع ہاشمی: میرٹھ)

تقریر پرتاثیر جناب مولوی محمد مظہر صاحب
وقت تقسیم انعام بابت سال ۱۲۹۹ھ

اما بعد! حمد اللہ ذی الانعام، والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء محمد خیر الانام، وآلہ الکرام واصحابہ العظام، والذین اتبعوھم باحسان الی یوم القیام۔

یہ عرض ہے کہ امتحان سالانہ طالب علموں کا شعبان ۱۲۹۹ھ میں لیا گیا، زمانہ گذشتہ میں چند سال ایسا اتفاق ہوا کہ مولوی فیض الحسن صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب امتحان لیتے تھے، امسال مولوی فیض الحسن صاحب کوہ شملہ پر مجلس تعلیم میں بلائے گئے، اور مولوی فیض الحسن صاحب بضرورت خانگی امتحان کے دنوں میں مجلس امتحان میں شریک نہ ہوسکے۔ پس امتحان سالانہ کچھ تحریری اور اکثر تحریری مولوی عبد العلی صاحب درس دوم نے بشراکت دیگر مدرسین نے لیا، کہ جس سے معلوم ہوا کہ طلباء سے بحمد اللہ حسب استعداد جواب میں کوتاہی کم واقع ہوئی بڑے شکر کی جگہ ہے کہ اس مدرسہ کا فیض ایسے دور دراز ملکوں میں پہنچا ہے، کہ نواح و دیگر اضلاع بنگال سے شائقین علم حدیث واسطے تحصیل کے یہاں آتے ہیں، چنانچہ مولوی عبد العزیز جمادی الاول حال میں اس مدرسہ کا شہرہ کلکتہ میں سن کر یہاں آئے، اگرچہ کلکتہ کے مدرسہ میں علوم رسمیہ معقول و حساب وغیرہ تحصیل کر چکے تھے، لیکن صرف واسطے تحصیل علوم دینیہ کے کلکتہ کا مدرسہ چھوڑ کر یہاں آنے کا قصد کیا، بحمد اللہ بہت قلیل مدت میں پانچ کتابیں صحاح ستہ کی، اس مدرسہ میں قراۃ وسماعا، اور چھٹی کتاب ابن ماجہ مولوی ابو الحسن صاحب مہتمم جامع مسجد سے تحصیل کیں، اور اسی اثنا میں بیضاوی اور درمختار اور شرح مواقف، وبعض کتب دیگر جو کلکتہ کی تحصیل سے رہی ہوئی تھیں، یہاں بہت محنت وشوق سے پڑھیں، بعد عید الاضحیٰ اپنے وطن روانہ ہوئے، چناں چہ ان کو ایک سربند جورنگون سے

ملا، ہاشم صاحب نے واسطے طلباء فارغ التحصیل کے بھیجے ہیں مدرسہ سے بندھوایا گیا، یہ بات لائق غور ہے کہ تخمیناً چھ مہینے کی مقدار میں بجملہ صحاح و بیضاوی و درمختار پڑھ کر اپنے گھر چلے گئے، اس بارے میں جس طرح ان کی محنت لائق تحسین ہے، مدرسین کی مشغولی بھی اس کار خیر میں سزاوار شکر گذاری ہے۔

دوسرے مولوی عبد الستار ساکن ضلع ہزارہ، ممالک پنجاب جو مدرسہ کانپور میں اکثر کتب مولوی امین صاحب سے پڑھ چکے ہیں، واسطے تکمیل تحصیل کے بعد روانہ ہونے مولوی صاحب موصوف، بجانب مکہ معظمہ، ماہ شوال میں یہاں آئے ہیں۔ اس مدت قلیل میں بخاری شریف تمام کرلی، بیضاوی قریب الاختتام ہے، انشاء اللہ عنقریب یہ بھی فارغ ہوا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے مولوی عبد المجید ساکن ضلع اسلام آباد بنگالہ، ربیع الاول ۱۲۹۸ھ میں مدرسہ میں داخل ہوئے، اور ربیع الاول ۱۲۹۹ھ میں یہاں سے رخصت ہوئے، بہت اچھی استعداد کے، بخاری شریف، صحیح مسلم، دارمی، موطا، ابوداؤد، نسائی، حصن حصین، مطول، جلالین، شرح عقائد اور صحاح کی باقی کتابیں اور جگہ پڑھیں، غرض اس قلیل مدت میں، وہ بھی کوشش بلیغ کر کے علم حاصل کر گئے۔

عبد الحمید، محمد عثمان، ثمر اکرام الدین، یہ سب صاحب ساکنین اضلاع بنگالہ، اکثر کتب صحاح سماعۃً و قراءۃً حاصل کر کے، اور فقہ میں شرح وقایہ ہدایہ پڑھ کر امسال رخصت ہوئے۔ سوا اس کے بعض صاحب پنجاب کے جن میں سے بعض سند یافتہ ہیں، اگرچہ پوری تحصیل نہیں کی، لیکن اپنے کام کے لائق استعداد درست کر کے مدرسہ سے رخصت ہوئے۔ اور رحیم بخش ساکن سہارنپور، گلستاں وغیرہ ابتدائی کتب فارسی پڑھتا ہوا داخل ہوا تھا، فارسی سکندر نامہ، ابوالفضل تک پڑھی اور عربی ابتدا سے شرح مختصر معانی، توضیح و تلویح، ہدایہ، جلالین، درمختار، صحاح ستہ، نسائی، دارمی، بیضاوی شریف، مقامات حریری تک اس مدرسہ میں پڑھی، اور اب وہ بفضلہ تعالیٰ دیوان متنبی پڑھتے ہیں، لیکن بعض کتب معقول کی اس اثناء میں دوسری جگہ بھی پڑھی ہیں۔

اے صاحبو! حاضرین جلسہ غور فرماؤ، کہ اس مدرسہ کے درخت پُر ثمر کا سایہ کہاں تک حق سبحانہ وتعالیٰ نے دراز کیا، کہ بنگالہ و پنجاب کے لوگ یہاں فیضیاب ہوں، اور اس کے سایہ میں ثمرات وبرکات حاصل کریں، اور خاص سہارنپور محروم رہے۔ الا ماشاء اللہ! اول مدرسہ کا کوئی ذکر نہیں کرتا، اگر ذکر کریں تو برائی سے یاد کریں، کیا یہی شرط انصاف ہے۔ سہارنپور کے رؤسا کو بہت محل شکر وفخر کا ہے کہ، جو بات کسی زمانہ میں دہلی میں حاصل ہوتی تھی وہ بات اب خدا تعالیٰ نے سہارنپور میں دی، کہ لوگ سفر بعید اور مشقت وجیہ کر کے تحصیل علم کے لئے یہاں آتے ہیں ،زہے قسمت ساکنان سہارنپور کی۔

پس ان صاحبوں کو ایسے شخص کا وارد ہونا غنیمت جاننا چاہئے ،اور جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، اطراف واکناف سے تحصیل علم کے لئے جوق جوق لوگ حاضر ہوتے تھے، چنانچہ قرآن شریف میں حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْبَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ. اسی طرح سہارنپور والوں پر خدا کا احسان ہے، کہ ان کے متعلق ایسا کام کر دیا جس کی جہت سے اطراف وجوانب سے لوگ حاضر ہوں، اور تحصیل علم کریں۔

پس ان لوگوں کے وارد ہونے کو غنیمت جانو اور اپنی خوش قسمتی سمجھو، جس طرح انصار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون وناصر تھے، تم علماء کے جو وارث انبیاء کے معاون ومددگار ہو، اس بات میں سعی بعض رؤسا سہارنپور کی، البتہ لائق مشکور ہے، دیکھو مولوی فیض الحسن صاحب خود بنفس نفیس بھاولپور تشریف لے گئے، اور وہاں جا کر جناب سید محمد مہدی خاں صاحب وزیر ریاست سے، ملاقات کر کے جناب مستطاب نواب صاحب والی بہاولپور سے، اس مدرسہ کے لئے اقدام مدرسہ میں بیس روپیہ مہینہ چندہ مقرر کرایا۔ جزاھم اللّٰہ خیر الجزاء.

پس تم بھی کمر ہمت کی باندھو، اس کام میں کاہلی وسستی نہ کرو، اور دنیا کی اپنی اغراض کو دخل نہ دینا کے امورات کے جاری کرنے اور بدلہ نکالنے کی جگہ دوسری ہیں۔ اس امر میں باہم اتفاق کر کے طالب علموں کی خاطرداری اور کفیل خرچ ہونے میں، اور مکان کی سکونت میں سعی کرو، اور ان کو اپنا بھائی جانو کیوں کہ چند مدت کے واسطے یہ لوگ آتے ہیں، اپنا کام کر کے پھر اپنے گھر چلے جاویں گے، جو شخص ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آوے گا، وہ دنیا میں نیک نام آخرت میں موجب رضامندی سید الانام ہوگا۔

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اصحاب اہل یمن کا حال سنا، کہ جب ان کے پاس طعام وغیرہ خرچ ہو جاتا ہے تو جو کچھ ان کے پاس رہا سہا کچھ باقی رہ گیا اس کو جمع کرتے ہیں، اور پھر اس کو برابر بانٹ لیتے ہیں، (۱) تو حضرت نے فرمایا: هُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ یعنی وہ میرے ہیں، اور میں ان کا ہوں، دیکھو کیسے پیارے الفاظ فرمائے، ان کی شان میں۔

(۱) کیفیت سالانہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ سنہ ۱۲۹۹ھ ص: ۱۰-۱۱۔

باب چہارم

چند شاگرد

یوں تو اس دور کے علماء ہمیشہ ہی طالب علم اور معلم ہوتے تھے، جب کسی بڑے عالم سے استفادہ کا موقع ملا ان کی مجالس درس میں حاضر ہو گئے، طالب علم بن گئے اور جب کوئی پڑھنے کتاب جاننے سمجھنے کے لئے آیا، اسکی طرف متوجہ ہو کر گویا استاد بن گئے۔ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب بھی اسی شان کی شخصیت تھے، حضرت مولانا کو زمانہ طالب علمی سے پڑھانے کا موقع ملا، بلکہ اسی نہج پر ان کی تربیت کی گئی تھی کہ وہ پڑھی ہوئی کتابیں عمدہ طریقہ پر پڑھا سکیں۔ حضرت مولانا کے زمانۂ طالب علمی کے شاگردوں میں سے صرف ایک نام معلوم ہے اور وہی ایک طالب علم ہزاروں طالب علموں پر بھاری، اپنے عہد کی ممتاز ترین شخصیت، اور اپنے معاصرین سے بہت فائق تھے۔ یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی تھے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے لکھا ہے:

"ومن مفاخره ان الشيخ العلامه، بحر العلوم (محمد قاسم) النانوتوى، اخذعنه بعض الكتب الابتدائية" (۱)

غالباً اس وقت حضرت مولانا محمد قاسم کے ساتھی بھی مولانا مظہر سے پڑھتے استفادہ

(۱) اوجز المسالک الی موطا مالک، (مقدمہ) ص: ۴۳ جلد اول (طبع اول یحیوی سہارنپور)

کرتے ہوں گے، اور اس کے بعد بھی مولانا مظہر حضرت مولانا مملوک العلی کی خدمت میں قیام کے زمانہ تک حضرت مولانا مملوک العلی اور دہلی کالج سے وابستہ متعدد طالب علموں نے محمد مظہر سے اسباق لئے ہوں گے، مگر اس دور کے کسی اور شاگرد کا تذکرہ دستیاب نہیں ہوا۔

مولانا محمد مظہر دہلی کالج کی تعلیم سے فارغ ہوتے ہی بنارس کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے تھے، بنارس کالج کی ملازمت ترک کی تو تقریباً چار سال سفر ج متفرق مصروفیات اور ملازمتوں میں گذرے، پھر اجمیر کالج میں اسی منصب پر فائز کئے گئے، جو بنارس میں تھا، سنہ ۱۸۵۷ کے حادثہ نے یہ ملازمت ختم کرائی، اب مطبع منشی نول کشور سے رابطہ ملازمت استوار ہوا، اگرچہ یہاں علمی تصحیح و مقابلہ کتب کا کام تھا مگر قرین قیاس ہے کہ مولانا یہاں بھی درس وافادہ سے غافل نہ رہے ہوں گے۔ مطبع نول کشور سے (۱۲۸۴ھ ۱۸۶۸) میں مظاہر علوم سہارنپور آ گئے تھے۔ اس وقت سے زندگی کے آخری دن تک تمام وقت درس واسباق میں مصروف گزرا۔

درس وافادہ کے اس چالیس سالہ سفر میں مولانا سے کئی ہزار طلبا نے پڑھا ہوگا، استفادہ کیا ہوگا، جس میں بلا مبالغہ کئی سو علماء اصحاب ایسے بھی ہوں گے، جو بعد میں خدمت دین، درس فقہ وحدیث اور برصغیر کے دینی علمی کارواں کو آگے بڑھانے میں سرگرم ہوئے، اور اس قافلہ کے ممتاز اور تیز رو مسافروں میں شمار کئے گئے۔ مگر یہ حادثہ اس سے پہلے بھی بار بار گزرا ہے اور اس پر افسوس کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ، ایسے علماء اور اساتذہ کے بہت کم شاگردوں کے نام معلوم و محفوظ ہیں۔

ہمیں حضرت مولانا کے چند شاگردوں کے علاوہ، اکثر کا حال تو کیا نام بھی معلوم نہیں جو نام معلوم ہیں وہ بھی انگلیوں پر شمار کئے جا سکتے ہیں، جس کو حضرت مولانا سے پڑھنے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کا مشکل سے ایک معمولی حصہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

بنارس اور اجمیر کالج نیز لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں مولانا سے پڑھنے والوں کے نام تو اس لئے معلوم نہیں کہ وہ کالج باقی رہے، نہ ان کے دفاتر اور کاغذات:

آں دفتر را گاؤ خورد، و گاؤ را قصاب برد، و قصاب در راہ مرد

اگرچہ مولانا کے معلوم تمام شاگرد مظاہر علوم کے زمانہ تدریس کے ہیں، مگر یہاں بھی ایک بڑی ناکامی کا سامنا ہوتا ہے، کیوں کہ مظاہر علوم کی اس وقت کی روداودں میں طلبہ کے صرف مختصر نام درج ہوتے تھے جس میں علاقہ کا ناتمام سا تذکرہ ہوتا تھا، نہ ولدیت، نہ خاندان، و مسکن، نہ قصبہ و ضلع، کسی کا کچھ تذکرہ نہیں۔ طلبہ کی درجہ بندی کا احوال اور ہر اک کتاب کے سبق میں جو جو طلبہ حاضر رہے، ان کی مکمل فہرستیں بھی دستیاب نہیں۔ اس قسم کی اور کچھ معلومات ہوں گی تو اس دور کے رجسٹروں میں ہوں گی، مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ محفوظ بھی ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو ان سے استفادہ آسان نہیں۔ اس لئے ذیل میں ایسے چند شاگردوں کے صرف نام درج کئے جائیں گے جن کا مولانا سے تلمذ کسی معتبر ذریعہ سے معلوم ہے۔

(۱) اوپر ذکر آیا ہے کہ حضرت مولانا محمد مظہر کے سب سے پہلے معلوم شاگرد، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے، اس فہرست کا آغاز کرتے ہوئے حضرت مولانا قاسم العلومؒ کا نام نامی برکت کے لئے درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ حضرت مولانا محمد مظہر، حدیث شریف کی بعض کتابوں کے اسباق میں، حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کی مجلس درس میں، حضرت مولانا محمد قاسم کے رفیق و شریک بھی رہے۔ حضرت شاہ عبدالغنی نے حضرت مولانا محمد قاسم کی سند حدیث میں تحریر کیا ہے:

”ان الاخ الصالح، الکاظم محمدقاسم، اصلح اللہ شانہ واکمل ایمانہ. قدقرأ الصحیح لابی الحسین مسلم بن حجاج القشیری النیساپوری، وجامع ابی عیسی الترمذی

الا القلیل فی الکتابین، فانه سماع غیره، وثلث الاخر من صحیح البخاری بالقرأة والسماع، وموطا مالک بن انس سمع بعضه بقراة ابن اخیه المولوی مظهر"(۱)

(۲) حضرت مولانا خلیل احمد بن مولوی مجید علی انصاری انبیٹھوی حضرت مولانا نے اکثر درسی کتابیں اور جملہ علوم وفنون حضرت مولانا محمد مظہر سے پڑھے، زمانہ تعلیم کا بڑا حصہ حضرت مولانا محمد مظہر کے فیض صحبت میں گذرا، حضرت مولانا خلیل احمد کی کئی تحریروں میں اس کی صراحت ہے۔ ایک سند میں لکھا ہے:

"وقد حصل لی القرأة والسماع لجمیع الکتب وغیرها، علی شیخی واستاذی الحبر الکامل، والبحر الفاضل، الفائض بانواره علی النیرین الشمس والقمر، مولانا الشیخ محمد مظهر النانوتوی"(۲)

مولانا خلیل احمد کو حضرت مولانا محمد مظہر نے درسیات اور حدیث شریف کی تمام کتابوں میں تلمذ اور اجازت کے علاوہ یہ امتیاز حاصل ہے کہ مولانا خلیل احمد صاحب کی ذات و کمالات میں، حضرت مولانا محمد مظہر کی صحبت، حسن تربیت اور کمالات کی خوشبو اور تاثیر اس طرح رچ بس گئی تھی کہ مولانا خلیل احمد حضرت مولانا کی صفات اور کمالات عملیہ وعلمیہ کا نمونہ، بہترین مثنی اور عکس جمیل بن گئے تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد کی شروع صفر ۱۲۶۹ھ دسمبر ۱۸۵۲ء میں ولادت ہوئی، ۱۵؍ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ (۱۲؍اکتوبر ۱۹۲۷ء) کو مدینہ منورہ میں وفات پائی، بقیع میں دفن کئے گئے۔

(۱) اصل سند کا عکس سوانح قاسمی ص: ۲۶۰ ج: ۱ میں شامل ہے۔ (طبع اول، دیوبند: ۱۳۷۳ھ)

(۲) تذکرۃ الخلیل مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص: ۲۸۶/۲۸۵ (سہارنپور: ۱۳۹۵ھ)

حضرت مولانا کی دینی علمی خدمات اور کارنامے اور جلیل القدر خلفائے کرام، خصوصاً بذل المجہود لحل ابی داؤد اور شاگرد و جانشین، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

(۳) مولانا محمد عبدالحق حقانی، بن محمد امیر۔ از اخلاف شاہ محمد تبریزی متھلہ ضلع انبالہ کے رہنے والے تھے، بعد میں دہلوی نسبت سے مشہور ہوئے۔ ممتاز عالم، مفسر قرآن مجید، متکلم، مناظر اور بڑے خادم دین۔

رجب ۱۲۶۷ھ (مئی ۱۸۵۱ء) میں پیدا ہوئے۔ مولانا کے تعارف میں عموماً یہ لکھا جاتا ہے کہ وہ مولانا لطف اللہ علی گڈھی کے ممتاز شاگرد تھے، مگر اس کا کم علم ہے کہ مولانا عبدالحق حقانی مدرسہ مظاہر علوم کے ابتدائی دور کے مستفیدین میں سے بھی ہیں۔ مولانا نے غالباً درسیات کے آغاز سے تقریباً اعلیٰ کتابوں تک پوری تعلیم مظاہر علوم سہارنپور میں حاصل کی، مولانا سعادت علی اور مولانا محمد مظہر دونوں سے تلمذ ہے(۱) مظاہر علوم میں مولانا سید محمد علی مونگیری اور مولانا محمد صاحب فاروقی، مولانا کے ہم سبق اصحاب میں شامل تھے(۲) اکثر درسیات مولانا محمد مظہر سے پڑھیں۔

جب مظاہر علوم کے نائب صدر مدرس، مولانا احمد حسن پنجابی مظاہر علوم سے کان پور گئے اس وقت مولانا کے ساتھ مدرسہ کے جو چند طالب علم کان پور گئے تھے، ان میں مولانا عبدالحق حقانی بھی شامل تھے۔ کان پور میں حدیث کی اعلیٰ ترین کتابیں مولانا لطف اللہ علی گڈھی سے اخذ کیں۔

---

(۱) تذکرہ علمائے حال، مولانا محمد ادریس نگرامی ص: ۳۸ (لکھنؤ: ۱۸۹۷ء)

(۲) سوانح شاہ عبدالقادر رائے پوری مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص: ۹۵ (لاہور)

تعجب ہے کہ سیرت مولانا محمد علی مونگیری میں مولانا مونگیری کے سہارنپور میں پڑھنے کا سرسری سا ذکر ہے، حالاں کہ اس کے متعدد شواہد ثبوت اور اطلاعات موجود ہیں۔ مولانا سید محمد علی مونگیری مظاہر علوم کے طالب علم نیز حضرت مولانا محمد مظہر اور حضرت مولانا احمد علی محدث کے خاص شاگرد تھے۔

تعلیم کے بعد درس، تصنیف وتالیف اور عیسائی، ہندوؤں سے اعتراضات کے جوابات دینے اور لکھنے کو مقصد حیات بنایا تمام عمر اس میں مشغول رہے، اعلیٰ درجہ کی تصانیف اور بیسوں مناظرے مولانا کے کمال علم اور قدرت تحریر وکلام کے شاہد ہیں، اور اپنے اپنے موضوعات پر عمدہ ترین علمی ذخیرہ ہیں۔ مولانا کی تفسیر قرآن مجید جو تفسیر حقانی کے نام سے شہرۂ آفاق ہے اور خصوصاً اس کا مقدمہ ''البیان فی علوم القرآن'' اپنی قسم کی ایک منفرد تالیف ہے جس سے ہمیشہ فائدہ اٹھایا جائے گا۔

۱۲/ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۳۵ھ (مارچ ۱۹۱۷ء) اڑسٹھ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

(۴) مولانا عبدالمنان بن شرف الدین۔ وزیر آباد، گوجرانوالہ (پنجاب) ۱۲۶۷ھ (مئی ۱۸۵۱ء) میں تولد ہوئے، بچپن میں نابینا ہو گئے تھے۔ درسیات کی ابتدائی مختصر کتابیں پڑھ کر سہارنپور آ گئے، مظاہر علوم میں داخلہ لیا، اور تقریباً جملہ درسیات اور تمام علوم وفنون مولانا محمد مظہر صاحب سے پڑھے، مولانا ادریس نگرامی نے لکھا ہے:

''مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی سے جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ پڑھے'' (۱)

مولانا عبدالحی حسنی کے الفاظ بھی ملاحظہ ہوں:

ثم رحل الی سهارنپور، ولازم الشيخ محمدمظهر النانوتوی مدة من الزمان واخذعنه'' (۲)

سہارنپور سے فراغت کے بعد اور کئی علماء سے استفادہ کیا، کتب حدیث پڑھیں، آخر میں مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے یہاں حاضر ہوئے، مولانا سے ہدایہ اور صحاح ستہ پڑھ کر اجازت حاصل کی، مولانا نذیر حسین صاحب کے شاگردوں میں علم وفضل، وسعت نظر، کثرت درس وافادہ اور تلمذ کی تعداد میں سب سے ممتاز تھے۔ مولانا شمس الحق ڈیانوی نے لکھا ہے:

(۱) تذکرہ علمائے حال ص: ۵۶

(۲) نزهة الخواطر ص: ۳۱۱ ج: ۸

"لا اعلم فی تلامذہ السید نذیر حسین المحدث اکثر تلامیذ منہ، قدملأ البنجاب من تلامذتہ کانہ ھو حافظ الصحاح فی ھذا العصر"(۱)

ترجمہ: مجھے معلوم نہیں کہ مولانا سید نذیر حسین کے تلانذہ میں سے کسی کے ان سے زیادہ شاگرد ہوں۔ صوبہ پنجاب ان کے شاگردوں سے بھر گیا تھا، گویا اس زمانہ میں وہ صحاح ستہ کے حافظ تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا کو نحو اور لغت میں اعلیٰ درجہ کی مہارت تھی، رجال حدیث فن جرح وتعدیل اور ان کے طبقات کی مکمل اطلاع تھی، حدیث کے فنون میں عالی ونازل، صحیح وسقیم میں نظر ثاقب رکھتے تھے اور دینی متون کے حافظ تھے۔(۲)

مولانا عبدالمنان کی رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں وفات ہوئی۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، اور مولانا محمد اسماعیل وغیرہ مولانا عبدالمنان کے ممتاز شاگردوں میں تھے۔

(۵) مولانا مفتی عبداللہ بن صابر علی ٹونکی۔ نامور عالم، مدرس، ٹونک میں پیدا ہوئے، تعلیم کے لئے مختلف مقامات کا سفر کیا، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڈھی وغیرہ علماء سے استفادہ کیا، آخر میں حدیث شریف پڑھنے کے لئے سہارنپور پہنچ کر مظاہر علوم میں داخلہ لیا، صحاح ستہ وغیرہ پڑھیں اور ان کی اجازت وسند حاصل کی۔

مظاہر علوم کی روادوں کے طلبہ کی متعدد فہرستوں میں مولانا کا نام درج ہے۔ جس سے یہ بھی واضح ہے کہ مولانا نے حضرت مولانا احمد علی کے علاوہ مولانا مظہر سے بھی پڑھا ہے۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے عربی ادب میں کمال حاصل کیا۔

(۱) تذکرہ علمائے حال ص: ۵۶

(۲) نزہۃ ص: ۳۱۲ ج: ۸، نیز دیکھئے تذکرہ علمائے پنجاب ص: ۳۶۰-۳۵۸ جلد اول (لاہور: ۱۹۹۸)

سہارنپور کے زمانہ تعلیم میں مولانا تجمل حسین دسنوی اور علامہ شبلی نعمانی مولانا عبداللہ کے رفیق وہم سبق تھے، تینوں ذہین وطباع اور عمدہ تعلیمی صلاحیتوں سے مالا مال تھے، اس لئے آپس میں علمی گفتگو بھی رہتی تھی، جو کبھی کبھی بحث ومناظرہ سے بڑھ کر مجادلہ تک بھی پہنچ جاتی تھی۔ مولانا تجمل حسین کی ایک مرتبہ لکھنؤ میں مولانا شبلی نعمانی سے ملاقات ہوئی، اور زمانہ طالب علمی کا دور زندہ ہوگیا، اس وقت کی باتوں کا تذکرہ آیا اسی میں مولانا دسنوی نے فرمایا:

''وہ یاد ہے جو سہارنپور کی جامع مسجد میں تم سے اور مفتی عبداللہ ٹونکی سے مناظرہ ہوا تھا، اور پنجابی طلبہ ان کے ساتھ اور پوربی تمہارے ساتھ تھے اور آخرہ مناظرہ نے مجادلہ کی صورت اختیار کرلی اور ہم لوگ تم (علامہ شبلی) کو اپنی حفاظت میں لے کر قیام گاہ پر لوٹے تھے''(۱)

تعلیم کے بعد مدرسہ عبدالرب میں دہلی میں مدرس ہوئے، برسوں تک وہاں پڑھایا۔ مولانا فیض الحسن کی وفات کے بعد، اورنٹیل کالج لاہور میں شعبہ عربی کے پروفیسر اور سربراہ منتخب کئے گئے، اس منصب پر بھی طویل عرصہ تک فائز رہے۔ لاہور میں مولانا کا علمی سماجی دنیا میں بڑا مرتبہ تھا، گویا قبول عام حاصل تھا۔ اس زمانہ میں ندوۃ العلماء کی آواز اٹھی اس میں بھی بہت اہتمام اور جذبہ سے شریک ہوئے، سنہ ۱۳۱۶ھ ۱۸۹۸ء میں ندوۃ العلماء کے تعلیمی سلسلہ اور مدرسہ کا آغاز ہوا، جس کا پہلا سالانہ امتحان شعبان ۱۳۱۷ھ (دسمبر ۱۸۹۹ء) میں ہوا تھا، امتحان لینے والوں میں مولانا عبداللہ ٹونکی جو اس وقت اورینٹل کالج میں پروفیسر تھے، شامل تھے۔ (۲)

(۱) حیات شبلی علامہ، سید سلیمان ندوی ....ص:۸۹ (اعظم گڈھ: ۱۹۹۹ء)

(۲) تاریخ ندوۃ العلماء، تالیف مولانا اسحاق جلیس ص: ۲۲۸/۲۴۳/۲۴۴ جلد اول (لکھنؤ: ۱۴۰۳ھ)

سنہ ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے مدرس اور مدرسہ کے پرنسپل نامزد ہوئے۔ سنہ ۱۳۳۳ھ (اپریل ۱۹۱۴ء) میں ندوہ کے انتظامی عہدہ اور تدریس سے مستعفی ہوکر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں استاد ہوگئے، اس ملازمت کے دوران فالج میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بھوپال اپنے فرزند، مولوی انوار الحق صاحب کے پاس آ گئے تھے، وہیں ۲۵ ر صفر سنہ ۱۳۳۹ھ (۷/ نومبر ۱۹۹۲ء) میں وفات ہوئی، (۱) ندوہ کے اجلاس منعقدہ شعبان ۱۳۴۳ھ میں قرار داد تعزیت منظور کی گئی۔ (۲)

(۶) مولانا سید تجمل حسین دسنوی بہاری۔ عالم، صوفی، صاحب ارشاد و معرفت۔ مولانا کی نسبت معلومات بہت کم دستیاب ہیں۔ خاندان ونسب اور ابتدائی تعلیم وغیرہ کا تذکرہ راقم سطور کو نہیں ملا، اعلی درسیات کی تعلیم کے لئے مظاہر علوم میں داخلہ لیا، علامہ شبلی نعمانی اور مولانا عبد اللہ ٹونکی وغیرہ رفقائے درس میں تھے، اس رفاقت اور طالب علمی کی یادوں کا دونوں کی ملاقاتوں میں ذکر آ تا تھا۔ ایک ملاقات میں علامہ شبلی نعمانی نے مولانا کو یاد دلایا کہ: میں نے تمہیں قطبی پڑھائی ہے، تم میرے شاگرد ہو۔ مولانا تجمل حسین نے بے تکلف کہا:

"تم مجھے قطبی پڑھاتے تھے کہ بزاخفش بنا کر اپنی منطق صاف کرتے تھے"

تینوں صاحبان حضرت مولانا احمد علی محدث اور مولانا محمد مظہر کے دسترخوان علم کے خوشہ چین شاگرد اور نیاز مند تھے۔ تذکرہ علمائے بہار کے مؤلف نے بلا کسی حوالہ کے لکھا ہے کہ:

"مولانا تجمل حسین نے مولانا محمد مظہر سے تفسیر اور مولانا احمد علی سے حدیث پڑھی"

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء تالیف جناب شمس تبریز خاں صاحب ص: ۲۲۳/۲۲۴ (لکھنؤ: ۱۴۰۲ھ)

(۲) مولانا مفتی انوار الحق، بھوپال کے وزیر تعلیم اور علمی دینی ادبی خدمات کے لئے معروف ہیں، ۱۳۵۹ھ (۱۹۳۹) میں وفات ہوئی۔ بھوپال دیوان غالب کا ایک نسخہ مفتی صاحب کے حوالہ سے مشہور ہے۔

تاہم قرائن واطلاعات اس اطلاع کی مؤید ہیں۔ یہ تینوں صاحبان مظاہر علوم سے ایک ساتھ فارغ ہوئے، تذکرہ علمائے بہار میں مولانا تجمل حسین کے مظاہر علوم سے فراغت اور اجازت کی تاریخ جمادی الاخر ۱۲۹۵ھ (جون ۱۸۷۸ء) لکھی ہے، مظاہر علوم کی سالانہ روداد میں بھی اس سال کی فہرست میں مولانا کا نام شامل ہے، لیکن علامہ شبلی نعمانی تعلیمی سال پورا کرنے اور سالانہ امتحان سے پہلے ہی سفرحج کے لئے روانہ ہوگئے تھے، اس لئے مدرسہ کی مطبوعہ روداد میں علامہ کا نام شامل نہیں۔

مولانا کو، شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی اور حضرت حاجی امداداللہ سے اجازت و خلافت تھی۔ (۱)

باغ و بہار بے تکلف بزرگ تھے، کسی بات سے آزردہ خاطر نہ ہوتے، بڑی عمر پاکر ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ (مئی ۱۹۲۴) میں دیسنہ میں وفات ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔

علامہ شبلی نعمانی کا مولانا محمد مظہر سے تلمذ اور مظاہر علوم میں تعلیم

حضرت مولانا محمد مظہر کے شاگردوں کی اس فہرست میں جب مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی اور مولانا تجمل حسین صاحب دسنوی کا تعارف شامل ہے تو ضروری ہے کہ اس میں علامہ مولانا شبلی نعمانی کا بھی ذکر کیا جائے۔ اگرچہ علامہ شبلی کے احوال میں اس کی صراحت نہیں کہ، علامہ نے مولانا محمد مظہر سے پڑھا ہے، مگر مذکورہ بالا دونوں علماء [مولانا ٹونکی اور دسنوی] سے سہارنپور میں علامہ کی جو رفاقت اور ہم سبقی تھی، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ علامہ بھی ان کے ساتھ مظاہر علوم کے طالب علم رہے ہوں گے، اور جب مظاہر علوم میں داخل ہوئے اور وہاں اعلیٰ درسیات، یا حدیث شریف کے سبق

(۱) حضرت حاجی امداداللہ سے مولانا تجمل حسین کو اجازت کا علامہ سید سلمان ندوی نے یادرفتگاں میں ذکر کیا ہے، (زیرتذکرہ علامہ شبیر احمد عثمانی) ص:۴۳۲ (کراچی:۱۹۵۵ء)

[پڑھے تو علامہ نے مدرسہ کے اس وقت کے نظام کے مطابق، مولانا محمد مظہر سے ان سنین کی زیر درس کتاب بھی ضرور پڑھی ہوگی اس لئے علامہ شبلی نعمانی کا مدرسہ مظاہر علوم کے طلبہ میں اور حضرت مولانا محمد مظہر سے پڑھنے والوں میں شمار کیا جانا ہر پہلو سے قابل قبول ہے، مگر اس کی صراحت نہیں ملی اس لئے یہاں علامہ کا نام حضرت مولانا کے باقاعدہ تلامذہ میں شامل نہیں، تاہم علامہ کے مظاہر علوم میں داخلہ اور تعلیم پر راقم سطور نور الحسن راشد کاندھلوی نے ایک علیحدہ مضمونچہ لکھا ہے، جو مظاہر علوم پر اس کی تالیف میں شامل ہے، اس سے رجوع فرمائیں۔]

(۷) مولانا عبد الجبار بن منشی بدر الدین عمر پوری [عمر پور، ضلع مظفر نگر، یوپی] مشہور اہل حدیث، عالم، عربی کے ادیب شاعر اور علمی مجلوں کے مدیر و نگراں۔

۱۲۷۷ھ (۶۱-۱۸۶۰ء) میں تولد ہوئے۔ ابتدائی درسیات مختلف علماء سے پڑھیں، اعلی درسیات کے لئے مظاہر علوم میں داخلہ لیا، مظاہر علوم کی سنہ ۱۲۹۵ھ کی روداد میں مولانا کا نام درج ہے(۱) فقہ و اصول حضرت مولانا محمد مظہر سے پڑھے اور حدیث شریف کی چند کتابیں بھی۔ مولانا عبد الحی الحسنی نے لکھا ہے:

"وقرأ الفقه والاصول وبعضا من الحديث الشريف على مولانا محمد مظهر النانوتوى"(۱)

مولانا ادریس نگرامی نے جو مولانا عمر پوری کے معاصر تھے، مولانا سے دریافت کر کے مولانا کا حال لکھا ہے، جس میں سہارنپور کی تعلیم اور مولانا محمد مظہر سے پڑھی گئی کتابوں کا نسبتاً مفصل ذکر ہے، جو یہ ہے:

روداد مظاہر علوم سنہ ۱۲۹۵ھ ص: ۷.... ۶ (۲) نزہۃ ص: ۸

(۱) تذکرہ علمائے حدیث ہند ابو یحیٰی امام خاں نوشہروی ص: ۱۶۶ (طبع اول) (دہلی ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۸)

''۱۲۹۴ھ میں جب کہ قحط عظیم ہوا آپ سہارنپور آئے اور مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی مرحوم سے، شرح وقایہ، ہدایہ، توضیح، مسلم الثبوت، سبعہ معلقہ، دیوان متنبی، تفسیر جلالین، قدرے تفسیر بیضاوی، سنن ترمذی وابوداؤد پڑھے اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری سے دیوان حماسہ، خطبہ قاموس تفسیر بیضاوی، باقی ماندہ تا مقام درس، مطول میر زاہد، رسالہ میر زاہد ملا جلال، حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ تحصیل کیا۔''

صحاح ستہ کی اجازت و تکمیل حضرت مولانا احمد علی محدث سے کی، غالباً اسی زمانہ میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے عربی ادب میں کمال حاصل کیا، پھر دہلی مولانا سید نذیر کی خدمت میں پہونچے، مکرر دورۂ حدیث پڑھا، متعدد مقامات پر درس وافادہ اور تذکیر و اصلاح کی خدمت انجام دیں۔ کلکتہ سے احیاء السنہ کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ سنہ ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں وفات ہوئی۔

(۸) مولانا راغب اللہ بن مولانا محب اللہ عثمانی پانی پتی۔ عالم، فاضل، مدرس اور محشی۔

رجب ۱۲۶۹ھ (اپریل، مئی ۱۸۵۳ء) میں پیدا ہوئے، کچھ دنوں وطن میں پڑھا، پھر سہارنپور کا سفر کیا، مظاہر علوم میں داخل ہوئے، مولانا محمد مظہر نیز مولانا احمد حسن بٹالوی سے درسیات اخذ کیں، مولانا ادریس نگرامی نے لکھا ہے:

''مولانا محمد مظہر صاحب مرحوم، مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم، حضرت مولانا محمد لطف اللہ علی گڈھی، حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے جملہ علوم رسمیہ پڑھے۔(۱)

تذکرہ علمائے حال ... مولانا ادریس نگرامی ص: ۳۷ (لکھنؤ: ۱۸۹۷)

(۱) روداد مظاہر علوم، سنہ ۱۲۹۸ھ ص: ۹

۱۲۹۸ھ میں جو صاحبان مظاہر علوم سے فارغ ہو گئے تھے، یا اعلیٰ درجہ کی کتابیں پڑھ چکے تھے، ان میں ''مولوی راغب اللہ صاحب مدرس مدرسہ پانی پت'' (۱) کا نام شامل ہے۔ تعلیم کے بعد پانی پت میں قیام کیا، مدرسہ گنبدان (نزد درگاہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیا پانی پتی) کے منتظم و منصرم رہے اور اس کو ترقی دی۔ سنہ ۱۳۲۰ھ کے (۳-۱۹۰۲ء) کے قریب وفات ہوئی (۲)

(۹) مولانا مفتی شاہ دین، بن محکم الدین لدھیانوی۔ بڑے عالم اور فقیہ تھے، فقہ میں ید طولیٰ اور بلند مرتبہ کے علاوہ معقولات، خصوصاً ہیئت میں فرد فرید تھے۔

اپنے وطن کے اطراف میں ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر سہارنپور آئے مظاہر علوم میں داخلہ لیا، مولانا محمد مظہر سے متوسطات اور درسیات کا اکثر حصہ پڑھا، تذکرہ علمائے حال میں ہے:

''مولانا محمد مظہر اور مولانا محمد لطف اللہ صاحب علی گڈھی سے علم کی تحصیل ہوئی'' (۲)

ان علماء سے استفادہ کے بعد، گنگوہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، حدیث پڑھی اور فقہ میں کثیر استفادہ کیا۔ مولانا شاہ دین کی خودنوشت تحریریں راقم سطور نے دیکھی ہیں جس میں وہ حضرت مولانا گنگوہی کو اپنا سرمایہ فخر استاد شمار کرتے ہیں۔

تعلیم کے بعد مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی میں برسوں تک درس دیا، اس زمانہ میں یہ مدرسہ مولانا کی وجہ سے ہیئت اور فقہ کی تعلیم میں فخر اقران بنا ہوا تھا۔ آخر میں وطن واپس آ گئے تھے، یہیں وفات ہوئی، سنہ وفات معلوم نہیں۔ (۴)

(۱) تذکرہ علمائے حال ص: ۲۵/ نیز نزہۃ ص: ۱۴۴/ ۸

(۲) تذکرہ علمائے حال ص: ۲۵ نیز نزہۃ الخواطر ص: ۱۴۴ ج: ۸

(۳) تذکرہ علمائے حال ص: ۱۷/۱۸ نزہۃ ص: ۷۵/ ۱۴۱ ج: ۸ نیز علمائے مظاہر اور ان کی علمی تصنیفی خدمات مولانا شاہد سہارنپوری ص: ۳۸۳۔۳۸۰ جلد اول طبع اول۔

(۴) تذکرہ علمائے حال ص: ۳۱/ نزہۃ ص: ۱۷۴/ ۸

(۱۰) مولانا امیر باز خاں بن حافظ نامدار خاں، مظفر نگری سہارنپوری۔ عالم، مدرس، مصنف اور شیخ طریقت۔

موضع بھوجپور نز دتھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ء) میں پیدا ہوئے مقامی علماء خصوصاً حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی سے پڑھا، مظاہر علوم قائم ہوا اس میں سب سے پہلے جو بیرونی طلبہ داخل ہوئے، ان میں مولانا امیر باز خاں بھی شامل تھے، حضرت مولانا سعادت علی اور مولانا محمد مظہر صاحب سے درسیات مکمل کیں، حضرت مولانا احمد علی محدث سے درس حدیث لیا ۱۲۸۷ھ میں تعلیم سے فارغ ہوئے۔ متعدد اکابر علماء حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا احمد حسن پٹیالوی وغیرہ سے بھی تلمذ حاصل ہے۔

تعلیم کے بعد مظاہر علوم میں مدرس نامزد کیے گئے، تعلیم سے طلبہ اور اہل مدرسہ خوش اور مطمئن رہے مولانا شاہ عبدالرحیم سنسار پوری مقیم سہارنپور سے بیعت ہوئے، جو شاہ عبدالغفور صواتی کے خلیفہ مجاز تھے۔ اجازت وخلافت حاصل کی مرشد کی خدمت اور طریقہ ارشاد تربیت کو عام کرنے میں زندگی گزاردی۔

چھوٹی بڑی تقریباً پچاس تالیفات یادگار ہیں جس میں سے چند بہت مشہور ہیں۔ ربیع الاخر ۱۳۲۵ھ (اپریل ۱۹۰۷ء) کو وفات ہوئی۔

(۱۱) مولانا اشرف علی بن عبدالغفور حنفی جالندھری۔ سلطان پور ضلع کپورتھلہ میں رمضان سنہ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) میں تولد ہوئے۔ اپنے والد وغیرہ سے ابتدائی درسیات پڑھیں، سنہ ۱۲۹۱ھ سے ۱۲۹۳ھ تک دہلی میں مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی سے معقولات اور اطبائے دہلی سے طب پڑھی، پھر سہارنپور آئے، مولانا محمد مظہر مولانا احمد حسن سے

(۱) تذکرہ علمائے حال ص: ۱۲/۱۳...... نزہۃ ص: ۵۹ ج: ۸ تمہید مفاوضات رشیدیہ (مجموعہ مکتوبات مولانا گنگوہی بنام اشرف علی مذکور مرتبہ حکیم نور الحسن منظور فرزند موصوف)

درسیات مکمل کیں، حضرت مولانا احمد علی سے اجازت حدیث لی، گنگوہ پہنچ کر حضرت مولانا گنگوہی کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے، متعدد تالیفات یادگار ہیں۔ سنہ وفات معلوم نہیں۔

(۱۲) مولانا نور احمد بن شہاب الدین پسروری امرتسری۔ ممتاز عالم، فقیہ، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے نامور محشی اور عیسائیت پر نقد ونظر میں ممتاز۔

پسرور ضلع سیال کوٹ پنجاب کے رہنے والے تھے، وہیں پیدا ہوئے اور ابتدائی درسیات پڑھیں۔ مظاہر علوم میں داخلہ لیا اور اعلیٰ ترین کتابوں تک تمام درسیات اور حدیث شریف حضرت مولانا محمد مظہر مولانا احمد حسن بٹالوی اور حضرت مولانا احمد علی سے پڑھیں۔

سنہ ۱۲۹۸ھ میں حج وزیارت کے لئے حاضر ہوئے، مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے ردعیسائیت میں گہرا استفادہ کیا، اور اس کی اجازت حاصل کی، مکہ مکرمہ اور حرمین شریفین کے علمائے کرام کی خدمات میں بھی حاضر رہے، ان سے استفادہ کیا اور اجازت حاصل کیں، واپسی کے بعد امرتسر میں قیام کیا، ہمیشہ درس وافادہ میں مشغول رہے، امرتسر سے ایک علمی رسالہ "**الفقیہ**" کے نام سے جاری کیا تھا۔

مولانا کا سب سے بڑا کارنامہ اور دائمی علمی دینی یادگار، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تصحیح وتخریج اور نہایت مفید حاشیہ ہے، جو اعلیٰ درجہ کے کمالات سے آراستہ ہو کر امرتسر سے نو حصوں یا تین بڑی جلدوں میں چھپا تھا، یہ نسخہ کتابت وطباعت کے لحاظ سے بھی دیدہ زیب اور بے نظیر ہے۔

مولانا کی شعبان ۱۳۴۸ھ (جنوری ۱۹۳۰ء) امرتسر میں وفات ہوئی، وہیں دفن کئے گئے (۱)

(۱) تذکرہ علمائے حال ص: ۹۵ ونزہۃ ص: ۳-۲-۵/ ج: ۸

(۱۳) مولانا حسین علی بن حافظ میاں محمد، واں بچھراں والی (میاں والی، پاکستان)

جلیل القدر عالم، مفسر قرآن اور سلسلہ نقشبندیہ کے عالی مرتبہ شیخ، دعوت توحید اور رد بدعات میں نادر روزگار شخصیت۔

سنہ ۱۲۸۳ھ (۶۷-۱۸۶۶ء) میں پیدا ہوئے، میزان الصرف سے حمد اللہ تک کی درسی کتابیں اپنے علاقہ کے علماء سے پڑھیں، پھر سہارنپور آئے، مظاہر علوم میں داخلہ لیا اور جملہ درسیات مولانا محمد مظہر سے مکمل کیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حدیث شریف پڑھی اور حضرت مولانا کی تمام درسی تقریریں قلم بند کیں (۱)

مولانا محمد مظہر سے جو پڑھا اس میں تفسیر خاص طور سے شامل ہے، متعدد اطلاعات سے لگتا ہے کہ مولانا مظہر کے یہاں درس تفسیر کا خاصا اہتمام تھا اور تفسیر خاص ترتیب سے پڑھاتے تھے۔ مولانا حسین علی مولانا محمد مظہر کے واسطہ سے تفسیر کی اجازت دیتے تھے ایک سند میں لکھا ہے:

"امابعد فیقول حسین علی بن محمد بن عبداللہ، قرات تفسیر القرآن علی الشیخ محمد مظھر، عند الشاہ محمد اسحاق" (۲)

اس وقت کے پنجاب اور سندھ کے ممتاز شیخ طریقت، شیخ عثمان بن عبداللہ دامانی نقشبندی سے بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ اپنے یہاں اصلاح اور توحید کی آواز بلند کی، اس میں بہت تکلیفیں بھی اٹھائیں مگر اس پر قائم رہے۔ اس

(۱) نزہتہ ص:۱۲۲/ ج:۸

(۲) بلغة الحيران فی ربط آيات القرآن افادات درس تفسیر مولانا حسین علی، مرتبہ مولانا غلام اللہ خاں (طبع اول گوجرانوالہ۔ بلا سنہ) نیز تذکرہ مولانا غلام اللہ خاں مرتبہ عبدالمعبود صاحب ص:۱۸ (راولپنڈی۔ بلا سنہ)

مقصد کے لئے درس قرآن مجید کا اہتمام کرتے تھے اور واشگاف طریقہ پر اس کی دعوت دیتے اور کوشش فرماتے، رجب سنہ ۱۳۶۳ھ (جولائی ۱۹۴۴ء) میں وفات ہوئی۔

متعدد علمی آثار یادگار ہیں، جس میں مذکورہ بالا درسی افادات قرآن مجید کے علاوہ، حضرت مولانا گنگوہی کی صحیحین بخاری و مسلم کی تقریریں قابل ذکر ہیں۔ اور بھی کئی کتابیں حدیث فقہ اور سلوک پر ہیں۔

(۱۴) مولانا نور محمد بن علی محمد لدھیانوی۔ لدھیانہ کے ایک گاؤں مانگٹ میں پیدا ہوئے، سہارنپور آئے، مظاہر علوم میں داخلہ لیا، یہاں حضرت مولانا احمد علی محدث مولانا محمد مظہر اور مولانا امیر باز خاں سے تعلیم حاصل کی، پھر لدھیانہ میں تعلیم میں مشغول ہو گئے سنہ وفات معلوم نہیں (۱)

(۱۵) مولانا مقیم الدین سلطان محمد۔ ڈھال پتی صوبہ خیل پٹھان، موضع کوٹ مریز علاقہ ٹانک (صوبہ سرحد حال پاکستان) کے باشندے تھے۔ متوسطات تک ایک مقامی عالم سے پڑھ کر سہارنپور آئے اور آخر تک جملہ درسیات مولانا محمد مظہر اور مولانا احمد حسن صاحب سے پڑھیں، مولانا عبدالحق خیر آبادی سے بھی تلمذ اور استفادہ کیا۔ تعلیم کے بعد سندیلہ آئے، ایک مدرسہ میں رہے، بعد کے حالات اور سنہ وفات معلوم نہیں۔ (۲)

(۱۶) پیر سید جماعت علی شاہ بن سید کریم شاہ۔ علی پور، سیال کوٹ (حال پاکستان) ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کر کے لاہور گئے، لاہور میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری وغیرہ سے پڑھا۔ پھر سہارنپور پہنچے، مظاہر علوم میں داخلہ لیا، مولانا محمد مظہر سے اکتساب فیض کیا،

(۱) نزہۃ الخواطر ص:۱۲۳/۱۲۱ ح ل:۸ تذکرہ علمائے پنجاب اختر راہی ص:۱۲۶۲/۱۵۹ (طبع دوم لاہور:۱۹۹۸) نیز تذکرہ مولانا غلام اللہ خاں، ص:۱۳۔۱۹۔

(۲) تذکرہ علمائے حال ص:۹۶ نزہۃ ص:۵۱۱ ج:۸۔

(۳) تذکرہ علمائے حال ص:۹۰، نزہۃ ص:۴۲/۸۔

مولانا احمد حسن کانپوری وغیرہ متعدد علماء سے فیضیاب ہوئے۔ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے، مولانا فقیر محمد جوردی سے سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت بیعت حاصل تھی۔

۲۶/ذی قعدہ ۱۳۷۰ھ (اگست ۱۹۵۱ء) کو وطن میں وفات ہوئی۔

[یہ مولانا محمد مظہر کے آخری شاگرد تھے، ان پر اس مبارک سلسلہ کا خاتمہ ہوگیا]

(۱۷) پیر مہر علی شاہ بن سید نذر دین۔ جید عالم، نامور مرشد، قادیانیت کے خلاف علمی اور اعلی جدوجہد کے سپہ سالار عمدہ ترین کتابوں کے مصنف۔

گولڑہ راول پنڈی میں رمضان ۱۲۷۵ھ (اپریل ۱۸۵۹ء) میں پیدا ہوئے۔ مختلف مقامات کے علمائے کرام اور مدرسین سے درسیات اخذ کیں، آخر میں تکملہ علوم اور درس حدیث کے لئے سہارنپور آئے، مظاہر علوم میں داخلہ لیا، مولانا محمد مظہر اور حضرت مولانا احمد علی سے صحیحین وغیرہ پڑھیں اور اجازت حاصل کی۔

مکہ معظمہ حاضری کے وقت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے استفادہ کیا، حضرت حاجی امداد اللہ کی خدمت میں حاضر اور درس مثنوی مولانا روم میں شریک رہے، میر صاحب کی ایک تقریر سے خوش ہو کر حضرت حاجی صاحب نے اجازت وخلافت سے نوازا۔ میر صاحب کا مکہ معظمہ میں ہی رہنے کا خیال تھا مگر حاجی صاحب نے فرمایا:

"جلد ہندوستان واپس جاؤ وہاں ایک فتنہ رونما ہونے والا ہے اس کے مقابلہ اور تدارک کا انتظام کرو۔"

اس لئے واپس آگئے، یہ قادیانیت کا فتنہ تھا، پیر صاحب نے پوری قوت اور کوشش سے اس کا کامیاب مقابلہ فرمایا۔

پیر صاحب کی پنجابی زبان کی نعتیں بے نظیر ہیں، خصوصاً یہ شعر زبان زد خاص و عام ہے:

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا

گستاخ انکھیاں کتھے جا اڑیاں

۲۹ رصفر ۱۳۵۶ھ (۱۱ مئی ۱۹۳۷) کو گولڑہ میں وفات ہوئی، وہیں دفن کیے گئے۔ (۱)

(۱۸) مولانا غلام محمد بن رمضان ہوشیار پوری۔ عالم اور مدرس۔

تقریباً ۱۲۶۵ھ (۴۹-۱۸۴۸ء) میں ولادت ہوئی، پنجاب کے علماء سے درسیات ایک حصہ پڑھا، پھر مظاہر علوم داخل ہوئے، یہاں مولانا محمد مظہر، مولانا احمد علی حسن وغیرہ سے پڑھا۔ اس کے بعد دہلی اور پانی پت کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، درس وافادہ میں مصرف رہے، سنہ وفات معلوم نہیں۔ (۲)

(۱۹) مولانا محمد فاروقی جالندھری والد کا نام ونسب سنہ ولادت اور حالات راقم سطور کے علم میں نہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے صرف یہ لکھا ہے:

"بڑے عالم تھے، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی بانی مظاہر علوم سے تلمذ تھا اور مولانا عبدالحق حقانی کے ہم سبق تھے۔ بڑی عاشقانہ اور دردمند طبیعت پائی تھی، حضرت مولانا گنگوہی سے بیعت ہو گئے تھے۔ حضرت نے ان کو ارشاد فرمایا تھا کہ آپ وعظ ہی کہتے پھریں یہی آپ کا وظیفہ ہے۔

(۱) تعارف کے لئے مدرسہ مظاہر علوم کی رودادوں کے علاوہ تذکرہ علمائے پنجاب ص: ۵۸۷ تا ص: ۶۳۷ ج: ۲ (لاہور: ۱۹۹۸) سے استفادہ کیا گیا ہے۔ پیر صاحب کی ایک عمدہ سوانح مہر منیر کے نام سے شائع ہو چکی ہے، جو راقم کے مطالعہ سے گذری ہے مگر افسوس ہے کہ اس وقت دستیاب نہیں ہو سکی۔

(۲) تذکرہ علمائے حال ص: ۳۰۔

جہاں سے گذرتے علم وصلاح کی ہوا چل جاتی، اور انابت الی اللہ کا دروازہ کھل جاتا تھا اکثر وعظ سننے والے توبہ کرلیتے، تہجد گذار ہوجاتے۔

رائے پور گوجران کے مشہور برگزیدہ عالم دین، مولانا فقیر اللہ صاحب کے استاد تھے۔ سنہ ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء) میں وفات ہوئی۔(۱)

(۲۰) مولانا حشمت علی بن سید محمد علی بخش بنارسی، خاندان کا ضلع مظفر نگر کے سادات بارہہ سے تعلق تھا، مولانا کے والد نے بنارس میں قیام کیا۔

مولانا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ سے دو تین سال پہلے تولد ہوئے، بیس سال کی عمر تک فضول گنوائی، اس کے بعد توفیق الٰہی رفیق ہوئی تو تعلیم اور دین کی طرف توجہ ہوئی، والدین کے انتقال کے بعد گھر سے نکل منگلور [سہارنپور] اور دارالعلوم دیوبند پہنچ کر شرح جامی اور کنز الدقائق تک پڑھا۔ اس دوران حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے شرف بیعت حاصل ہوا، سنہ ۱۲۹۷ھ میں مظاہر علوم میں داخلہ لیا، حضرت مولانا محمد مظہر سے درسیات پڑھیں اور مولانا کی وفات کے دن تک مولانا کی خدمت میں حاضر رہے۔

مولانا حشمت علی کو حضرت مولانا محمد مظہر سے بے حد انسیت اور نہایت عقیدت ومحبت تھی، مولانا کی خدمت میں حاضر رہتے اور ہر خدمت بجالانے کو سعادت سمجھتے، مولانا حشمت علی کی تالیف ''طریقہ شریعت'' حضرت مولانا محمد مظہر کے متعلق قیمتی اور مفید معلومات فراہم کرتی ہے، اس کے متعدد اقتباسات اس کتاب میں آئے ہیں، نیز اس کے مولانا محمد مظہر سے متعلق تمام صفحات، زیر نظر تالیف میں ضمیمہ کے طور پر شامل ہیں۔

سنہ وفات مجھے نہیں ملا۔

(۲۱) مولانا منصور علی خاں بن حسن علی خاں مراد آبادی۔ مشہور عالم، فقہ وفتاویٰ اور متکلمانہ علوم ومباحث کے ماہر وفاضل۔

(۱) سوانح مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری۔ حاشیہ ص: ۹۵/ (لاہور: ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے تعلیم حاصل کی اور طویل عرصہ تک حضرت کی مولانا کی صحبت سے فیض یاب ہوئے، مولانا احمد علی کی خدمت میں حدیث پڑھی اور مولانا کی صحبت سے بھی برسوں استفادہ کیا، تعلیم کی تکمیل پر دکن کا سفر کیا، مدرسہ طیبہ حیدر آباد میں برسوں تک پڑھایا۔

آخر میں معاشی ضرورت سے مکہ معظمہ حاضر ہوئے، مکہ معظمہ میں ۱۳۳۷ھ (۱۹-۱۹۱۸ء) میں وفات ہوئی (۱) مذہب منصور اور معیار الادویہ معروف تالیفات ہیں۔

(۲۲) مولانا حافظ قمر الدین سہارنپوری عالم، مدرس اور جامع مسجد سہارنپور کے امام۔

مدرسہ مظاہر علوم کے سب سے پہلے طالب علم، جس سے حضرت مولانا سعادت علی نے مدرسہ کا آغاز فرمایا، مدرسہ کی روداد میں اس کی ان الفاظ میں صراحت ہے:

"حافظ صاحب مرحوم اس مدرسہ کے سب سے پہلے، اور اس زمانہ کے طالب علم تھے، جب کہ حضرت مولانا مولوی قاری سعادت علی صاحب فقیہ سہارنپوری نے، یہ مدرسہ رجب ۱۲۸۳ھ میں قائم فرمایا تھا۔ اول حافظ صاحب کو حضرت مولانا موصوف نے عربی میں شروع کرائی تھی" (۲)

آخر تک تمام تعلیم مدرسہ میں حاصل کی، دوران تعلیم مدرسہ میں مدرس بنادئے گئے تھے آخر تک مدرسہ سے وابستہ رہے، مدرسہ کے چندہ کے لئے بھی حضرت مولانا سعادت علی کے سب سے پہلے معاون تھے۔

طویل عرصہ تک جامع مسجد سہارنپور کے امام رہے، اعلیٰ درجہ کا تقویٰ اور جماعت کا غیر معمولی اہتمام تھا، آخری وقت کی آخری نماز بھی شدید معذوری اور فالج کے باوجود

(۱) نزہۃ ص: ۴۸۲/۸

(۲) روداد مظاہر علوم برائے ۱۳۴۴ھ ص: ۴

جماعت سے پڑھی۔ جن دنوں میں فالج کی وجہ سے نماز پڑھانا ناممکن تھا، اس وقت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی، جو اس وقت مظاہر علوم میں مدرس تھے، حافظ صاحب کی نیابت میں امامت کراتے تھے۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا خیال ہے کہ، حافظ صاحب کو حضرت مولانا گنگوہی سے اجازت وخلافت تھی، لیکن حافظ صاحب اس کا اخفاء فرماتے تھے۔ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ ۱۵/دسمبر ۱۹۱۵ء کو وفات ہوئی سہارنپور میں دفن کے گئے۔(۱)

(۲۳) مولانا ثابت علی سہارنپوری عالم اور مدرس، تقریباً سنہ ۱۲۷۸ھ میں تولد ہوئے۔ مدرسہ کے آغاز کے وقت کے ابتدائی طلبہ میں تھے، تعلیم مظاہر علوم میں حضرت مولانا سعادت علی، مولانا محمد مظہر اور حضرت مولانا احمد علی محدث سے حاصل کی۔ تعلیم کے زمانہ میں بھی ارباب مدرسہ کی تعلیمی مدد کی تعلیم سے فارغ ہو کر نائب مدرس مقرر ہوئے، آخر میں حدیث شریف کی کتابیں پڑھاتے تھے، خصوصاً ابن ماجہ کا درس مرغوب تھا۔ پینسٹھ سال کی عمر میں ۲۰/ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ (نومبر ۱۹۲۴ء) کو وفات ہوئی۔

(۲۴) مولانا عنایت الٰہی بن مولا بخش (بن مخدوم بخش بن سعادت علی بن الٰہی بخش) مولانا بوڑیہ کے رہنے والے تھے(۲) (ضلع جمنانگر، ہریانہ) عالم فاضل، مدرس اور مظاہر علوم کے ناظم و مہتمم۔

---

(۱) مستفاد از علمائے مظاہر علوم اور ان کی علمی تصنیفی خدمات محمد شاہد ص: ۹۱/۹۰ جلد اول (سہارنپور: ۱۴۰۰ھ)

(۲) مولانا کے وطن اور خاندان ونسب کی معلومات کا، غالباً واحد دستیاب ذریعہ، ماہنامہ پیام اتحاد امرتسر ہے۔ اس رسالہ نے اس زمانہ میں موجود خاندان شیوخ کے نسب نامے، اور اس زمانہ کے نامور شیوخ کے مختصر حالات مسلسل قسط وار شائع کئے تھے۔ منجملہ اس کے ایک قسط میں مولانا عنایت الٰہی اور ان کے خاندان کا بھی تذکرہ چھپا تھا، دیکھئے ماہنامہ پیام اتحاد امرتسر ص: ۴۷..... نومبر ۱۹۲۴ء۔ اس میں مولانا کے فرزند، حافظ محمد کا نام بھی درج ہے، جو اس وقت مظاہر علوم میں ملازم تھے پیام اتحاد کے چند شمارے ہمارے ذخیرے میں موجود ہیں۔

تقریباً سنہ ۱۲۷۲ھ (۵۷۔۱۸۵۶ء) میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ مظاہر علوم کے ابتدائی طالب علموں میں تھے، شروع سے آخر تک تمام تعلیم اکابرین مظاہر علوم، مولانا سعادت علی، مولانا محمد مظہر اور حضرت مولانا احمد علی سے حاصل کی اور اجازت وسند سے نوازے گئے۔ مولانا کی سند میں، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نے لکھا ہے:

عنایت الٰہی طالب علم، مدرسہ عربی سہارنپور سنہ ۱۲۸۴ھ یعنی ابتدا ایام تقرر مدرسہ، اس مدرسہ میں داخل ہوا۔ صرف ونحو وفقہ واصول وکتب معقول ومعانی ادب وریاضی بہت شوق سے حاصل کئے اور کتب حدیث مشکوٰۃ شریف اور اکثر صحاح اچھی طرح سے پڑھیں، اور امتحانات سالانہ میں مورد آفریں رہا اور انعامات بھی پائے۔

چندروز کے لئے حسب خلو عہدہ مدرس عربی، اعانت پر مقرر ہوا تو تعلیم میں اس کے طالب علم [اس سے] خوش رہے، کنز الدقائق، نور الانوار، نفحۃ الیمن، مختصر المعانی کا درس دیا۔

پھر جب مدرسہ مظاہر علوم کی بنا شروع ہوئی تو حساب تعمیر اس کے سپرد کیا گیا، چنانچہ موسیٰ الیہ نے جملہ کاروبار اپنے متعلق کو بخوبی انجام دیا، حساب بہت درست اور بہت صاف رکھا، اور کتب خانہ بہت آراستہ رکھا، اور اپنی اس کارکردگی میں اطفال کا سبق بھی ملحوظ رکھا۔(۱)

میں اس کے کام سے اور حاضر باشی اور دیانت سے بہت خوش ہوں اور بہ دانست احقر یہ شخص کارگزار، ہشیار، امانت دار، اپنے افسر کا فرمان بردار ہے۔ خصوصاً حساب کے راستہ میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔ دستخط محمد مظہر مدرس اول۔

(۱) روداد مظاہر علوم سہارنپور برائے سنہ ۱۳۴۳ھ نیز علمائے مظاہر علوم اور ان کی علمی تصنیفی خدمات مولانا محمد شاہد صاحب ص: ۲۲۹۔ جلد اول طبع اول۔

تحریر مولوی صاحب کو دانست گمان کرتا ہوں مہر: حضرت محدث سہارنپوری [احمد علی کل حال]

مولانا عنایت الٰہی صاحب مدرسہ کے اعلیٰ مدرس اور مہتمم تھے، مگر دونوں کا بار سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا، اس لئے مولانا نے اہتمام سے استعفیٰ دے دیا، اور اس کی منظوری پر اصرار کیا تو مولانا کو اہتمام سے سبک دوش کر دیا گیا، مگر مولانا اہتمام کو جس اہتمام سے انجام دے رہے تھے ویسا مہتمم اور ہر ایک کام کو اپنی ذمہ داری سمجھنے والا شخص مدرسہ کو نہ مل سکا، اس لئے دوبارہ مولانا سے گذارش کی گئی، اور بصد اصرار اور مولانا کو دوبارہ [بلکہ شاید تیسری بار] مہتمم نامزد کیا گیا۔

مولانا زندگی کے آخری دنوں تک اس خدمت کو نہایت دل جمعی اور شایان شان طریقہ پر انجام دیتے رہے، نہایت کمزوری کے باوجود مدرسہ آتے اور اوقات مدرسہ کے علاوہ بھی، ہر وقت اور رات گئے تک مصروف رہتے تھے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا نے مولانا کے کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے، لکھا ہے:

> "[مولانا] مدرسہ کے مہتمم بھی تھے، مفتی بھی تھے اور عدالتی تمام کاروبار ان ہی کے ذمہ تھے، اور اس معنی کر محصل چندہ شہر بھی تھے کہ، محصل چندہ شہر جب کسی کے متعلق کہتا کہ فلاں صاحب نے چندہ نہیں دیا، دو مرتبہ جا چکا ہوں۔ تو حضرت مہتمم صاحب اپنے گھر آتے جاتے، اس کے گھر جاتے اور خوشامد فرماتے کہ تمہارا چندہ نہیں آیا" (۱)

آخر میں فالج میں مبتلا ہوئے، اسی بیماری میں ۲۰ رجمادی الآخر ۱۳۴۷ھ (۳ ردسمبر ۱۹۲۸) کو وفات ہوئی، سہارنپور کے معروف قبرستان حاجی شاہ میں دفن کئے گئے۔

(۱) آپ بیتی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی حضرت شیخ نے آپ بیتی کے علاوہ اور تالیفات میں بھی مولانا عنایت الٰہی کی سادگی اور اخلاص اور بے نفسی کا کئی موقعوں پر ذکر کیا ہے۔

(۲۵) مولانا حافظ حکیم محمد حسین خاں۔ کشمیری عالم اور طبیب۔

کشمیر کے مشہور مقام نوشہرہ کے رہنے والے تھے، والد کا نام بہادر علی خاں تھا، سنہ ولادت معلوم نہیں۔ ابتدائی فارسی وطن میں پڑھی، عربی کی تعلیم کے لئے امرتسر آئے یہاں سے سہارنپور پہنچے، مظاہر علوم میں داخلہ لیا، اعلیٰ درسیات حضرت مولانا محمد مظہر اور مولانا احمد حسن پنجابی سے پڑھیں، حدیث میں حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری سے نسبت وتلمذ ہے۔ رموز الاطباء میں لکھا ہے:

''معقولات، عقائد اور فصاحت و بلاغت وغیرہ کی کتابیں، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مولوی محمد مظہر صاحب نانوتوی اور مولوی احمد حسن کانپوری سے پڑھیں، پھر حدیث کی تکمیل مولوی حافظ احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے کی'' (۱)

اس تعلیم سے فارغ ہو کر طب کی طرف متوجہ ہوئے، حکیم ابراہیم لکھنوی جو رام پور میں سرکاری طبیب تھے، سے طب پڑھنی شروع کی، وہ رام پور سے لکھنؤ واپس ہوئے تو ان کے ساتھ لکھنؤ پہنچے، حکیم صاحب کی وفات کے بعد ان کے فرزند، حکیم عبد العلی سے استفادہ وتلمذ ہوا، تعلیم کے بعد بنارس میں قیام کیا، بنارس کے خواص حکیم صاحب کے قدردان تھے، آخر تک درس کا سلسلہ بھی جاری رہا، کثیر شاگرد تھے۔ رموز الاطباء کی ترتیب کے وقت میں بیاسی سال عمر تھی، سنہ وفات معلوم نہیں۔

(۲۶) مولوی حکیم احسان الغنی بدایونی۔ عالم، عربی کے فاضل ادیب اور پروفیسر۔

خلف مولوی حکیم احسان الکریم، بانس بریلی، یوپی کے رہنے والے تھے، سنہ ۱۲۷۰ھ (۵۴-۱۸۵۳ء) میں ولادت ہوئی۔ حکیم صاحب کے دادا، مولوی امام الدین شعلہ فارسی کے ممتاز فاضل تھے، دادا اور والد سے ابتداء متوسط درسیات تک پڑھیں، چند اور

(۱) رموز الاطباء۔ مرتبہ حکیم فیروز الدین صاحب ص: ۹۱۶ جلد اول [لاہور، عکس طبع پنجم۔ بلا سنہ]

مقامات پر بھی علماء سے تلمذ رہا، آخر میں سہارنپور آکر مظاہر علوم میں داخلہ لیا، بخاری شریف حضرت مولانا محمد مظہر سے پڑھی، رموز الاطباء کی اطلاع ہے:

سہارنپور میں بھی قیام فرمایا، کتب منطق و فلسفہ اور علم ہیئت و فرائض وفقہ مولوی حاجی حافظ احمد حسن صاحب پنجابی ثم کانپوری سے پڑھا، مسلم شریف جناب مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے، بخاری شریف مولانا محمد مظہر صاحب سے پڑھی۔

پھر کچھ عرصہ تک لاہور میں بھی قیام رہا اور جناب مولوی فیض الحسن صاحب ادیب، مدرسہ یونیورسٹی کی خدمت میں رہ کر، علم ادب میں چند کتب دیوان حماسہ وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ آپ نے کتب طب میں اپنے والد مرحوم سے تعلیم پائی اور نفیسی جناب مولوی فیض الحسن صاحب ادیب سے پڑھی۔

تعلیم کے بعد والد کے ساتھ مطب کیا، پھر جبل پور کالج میں پچیس سال تک عربی کے پروفیسر رہے، آخر میں بریلی آگئے تھے، وہیں قیام رہا مزید حالات کا علم نہیں۔ (۱)

حضرت مولانا کے وہ چند شاگرد جن کا تعارف نہیں ملا

یہ حضرت مولانا کے چند شاگردوں کا مختصر تعارف تھا، مگر مولانا کے ان کے علاوہ بھی بہت شاگرد تھے، ان کی فہرست دستیاب نہیں، لیکن مظاہر علوم کی رودادوں سے جن طلبہ کے نام اور ان کے مولانا سے تلمذ کے اثرات ونشانات ملتے ہیں، رودادوں کی ترتیب کے مطابق ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔ افسوس کہ یہ فہرستیں ناقص اور قطعاً نا تمام ہیں اوپر بھی عرض کیا ہے کہ مدرسہ کی رودادوں میں طلبہ کے جماعت وار مکمل نام نہیں چھپتے تھے بلکہ صرف ان طالب علموں کے نام درج کئے جاتے، جو کسی کتاب کے سالانہ یا

(۱) رموز الاطباء، مرتبہ حکیم فیروز الدین لاہوری۔ ص: ۹۳۸۔ جلد دوم (عکس طبع دوم۔ لاہور بلا سنہ)

درمیانی امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتے تھے اس امتحان اور عمدہ نمبرات کی وجہ سے انعام کے مستحق شمار کئے جاتے تھے۔ اس میں بھی طلبا کے نام مجمل ہیں، نہ ولدیت، نہ خاندان برادری، نہ گاؤں تحصیل اور ضلع، تاہم جیسی کچھ بھی اطلاعات یا نام ہیں وہ حاضر ہیں۔ اس فہرست میں راقم نے صرف وہی نام شامل کرنے کی کوشش کی ہے، جن کا مولانا سے تلمذ کسی قرینہ یا روداد کی کسی اور اطلاع سے ثابت ہے، جن کے ثبوت میں شک ہے ان کا یہاں تذکرہ نہیں کیا گیا۔

نمبر شمار	اسمائے طلبہ	روداد مدرسہ	
(۱)	احمد اللہ بنگالی فاضل		ص:۱۰
(۲)	محمد احسن پسر محمد حسین فاضل		ص:۱۰
(۳)	حافظ عبد الرحمٰن فاضل	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۴)	مولوی فضل الرحمٰن فاضل	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۵)	ابوالحسن مہتمم جامع مسجد سہارنپور	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۶)	مولوی ناظر حسن وکیل عدالت	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۷)	مولوی خدا بخش	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۸)	میاں جی حسن علی	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۹)	انوار احمد انبیٹھوی	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۱۰)	عبد القادر پسر مولوی موسیٰ پنجابی	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۱۱)	غلام محمد پنجابی ہوشیار پوری	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۱۲)	محمد حسن پنجابی		

(۱۳)	مولوی احمد الدین	روداد ۱۲۹۸	ص:۴
(۱۴)	حافظ فضل الرحمٰن پسر مولوی محمد احسن	روداد ۱۲۹۸	
(۱۵)	مولوی ناظر حسن دیوبندی	روداد ۱۲۹۸	
(۱۶)	مولوی کمال الدین مدرس انبالہ	روداد ۱۲۹۸	
(۱۷)	حافظ کریم الدین	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۱۸)	مولوی میر حسن	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۱۹)	مولوی عبداللطیف	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۲۰)	حافظ عبداللہ	روداد ۱۲۹۸	ص:۱۰
(۲۱)	احمد الدین	روداد ۱۲۹۲	ص:۸
(۲۲)	غلام محمد چکوالی	روداد ۱۲۹۳	ص:۸
(۲۳)	غلام محمد؟	روداد ۱۲۹۳	ص:۸
(۲۴)	غلام علی؟	روداد ۱۲۹۳	ص:۸
(۲۵)	فرمان علی	روداد ۱۲۹۳	ص:۸
(۲۶)	حاجی اسماعیل حصار	روداد ۱۲۹۴	ص:۹
(۲۷)	الٰہی بخش	روداد ۱۲۹۴	ص:۹
(۲۸)	ملا محمد غوث	روداد ۱۲۹۴	ص:۹
(۲۹)	فضل الرحمٰن	روداد ۱۲۹۴	ص:۹
(۳۰)	کمال الدین	روداد ۱۲۹۴	ص:۹
(۳۱)	حافظ محمد صدیق	روداد ۱۲۹۵	ص:۷
(۳۲)	علاؤالدین	روداد ۱۲۹۵	ص:۷

(۳۳) محمد حیات	روداد	۱۲۹۶	ص:۶
(۳۴) محمد حسن بنوی	روداد	۱۲۹۷	ص:۱۲
(۳۵) عبدالرحمن؟	روداد	۱۲۹۷	ص:۱۲
(۳۶) عبدالمجید بنگال	روداد	۱۲۹۸	ص:۱۲
(۳۷) محمد عثمان بنگال	روداد	۱۲۹۸	ص:۱۲
(۳۸) اکرام الدین	روداد	۱۲۹۸	ص:۱۲
(۳۹) محمد بخش پنجابی	روداد	۱۲۹۸	ص:۱۲
(۴۰) فیض الحسن پورقاضوی	روداد	۱۲۹۸	ص:۱۲
(۴۱) فتح محمد خاں نکوڑ	روداد	۱۲۹۸	ص:۱۲
(۴۲) رحیم بخش پنجابی	روداد	۱۲۹۸	ص:۱۲
(۴۳) محمد باقر	روداد	۱۲۹۸	ص:۱۲
(۴۴) فخرالدین گنگوہ	روداد	۱۲۹۸	ص:۱۳
(۴۵) محمد اسماعیل گنگوہ	روداد	۱۲۹۸	ص:۱۳
(۴۶) احمد دین پنجابی	روداد	۱۲۹۸	ص:۱۳
(۴۷) مولوی عبدالعزیز کلکتہ	روداد	۱۲۹۹	ص:۹
(۴۸) مولوی عبدالستار..........	روداد	۱۲۹۹	ص:۹
(۴۹) مولوی عبدالمجید بنگال	روداد	۱۲۹۹	ص:۹
(۵۰) مولوی محمد عثمان بنگال	روداد	۱۲۹۹	ص:۹
(۵۱) مولوی ثمرالدین بنگال	روداد	۱۲۹۹	ص:۹
(۵۲) مولوی اکرام الدین	روداد	۱۲۹۹	ص:۹
(۵۳) مولوی رحیم بخش سہارنپوری	روداد	۱۲۹۹	ص.۹

(۵۴)	مولوی فضل الدین گجرات	روداد	۱۳۰۰	ص:۹
(۵۵)	مولوی مقیم الدین ڈیرہ اسماعیل خاں	روداد	۱۳۰۰	ص:۹
(۵۶)	مولوی محمد منت اللہ	روداد	۱۳۰۰	ص:۹
(۵۷)	محمد ابراہیم بنگالہ	روداد	۱۳۰۰	ص:۹
(۵۸)	احمد علی بنگالہ	روداد	۱۳۰۰	ص:۹
(۵۹)	غلام رسول پنجابی	روداد	۱۳۰۰	ص:۱۰
(۶۰)	رحیم بخش پنجاب	روداد	۱۳۰۰	ص:۱۰
(۶۱)	محمد یامین گنگوہی	روداد	۱۳۰۰	ص:۱۰
(۶۲)	جان محمد	روداد	۱۳۰۱	ص:۹
(۶۳)	عبداللہ کشمیری۔	روداد	۱۳۰۱	ص:۱۱
(۶۴)	عبداللہ پنجابی	روداد	۱۳۰۱	ص:۱۱
(۶۵)	محمد عثمان سہارنپوری	روداد	۱۳۰۱	ص:۱۰
(۶۶)	[مولانا] جمعیت علی پور قاضوی	روداد	۸۶	ص:۶
(۶۷)	[پیر] چراغ علی [شاہ]	روداد	۸۶	ص:۶
(۶۸)	[محمد زکریا کاندھلوی	روداد	۸۸	ص:۳
	محمد زکریا کاندھلوی]	روداد	۹۸	ص:۰
(۶۹)	مولوی عبدالرحمٰن	روداد	۸۸	ص:۴
(۷۰)	نور محمد پنجابی	روداد	۹۱	ص:۲
(۷۱)	عبدالصمد بنگالی	روداد	۱۲۹۱	ص:۲
(۷۲)	غلام محمد ہوشیار پوری	روداد	۱۲۸۸	ص:۴

[یہ مولوی محمد زکریا خلف مولانا محمد مخدوم کاندھلوی ہیں مظاہر علوم میں ابتدائی مدرس بھی رہے، ان کے فرزند محمد یحییٰ تھے جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے ان کی اولاد کراچی پاکستان میں مقیم ہے۔ [نور]]

(۷۳)	مرید احمد میاں والی	روداد	۱۲۸۸	ص:۴
(۷۴)	جلال الدین	روداد	۱۲۸۸	ص:۴
(۷۵)	پیر محمد سہارنپوری	روداد	۱۲۸۸	ص:۶
(۷۶)	سرفراز الدین؟	روداد	۱۲۹۰	ص:۱۲
(۷۷)	عبدالرحیم؟	روداد	۱۲۹۲	ص:۱۲
(۷۸)	فضل الرحمٰن	روداد	۱۲۹۳	ص:۸
(۷۹)	فتح الدین	روداد	۱۲۹۳	ص:۸
(۸۰)	اسماعیل لدھیانوی	روداد	۱۲۹۳	ص:۸

امید ہے کہ یہ مجمل اور نا تمام فہرست مظاہر علوم کے تازہ دارد فرزندوں اور ان علاقوں کے علماء اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لئے مزید معلومات اور بہتر اطلاعات کی مددگار و رہنما ہوگی۔

حوالت باخدا کردیم ورفتیم

ضمیمہ

(تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی)

طریقۂ شریعت

تالیف: مولانا حشمت علی بنارسیؒ

مطبوعہ، مطبع مجتبائی، دہلی: ۱۳۰۴ھ

کے چند صفحات

[جس میں حضرت مولانا محمد مظہر اور مدرسہ مظاہر علوم کے ایک اور بنیادی سرپرست اور مددگار، حاجی فضل حق سہارنپوری کا مختصر احوال وتذکرہ ہے۔]

امابعد حقیر سراپا تقصیر، گنہگار امیدوار مغفرت پاک پروردگار، ہیچ مدان، سراپا نادان، گم نام حشمت علی نام، خلف سید محمد علی بخش صاحب بنارسی؛ ستر اللہ تعالیٰ عیوبہما وغفر اللہ ذنوبہما خدمت میں ناظرین باتمکین اہل اسلام کے، وجہ تسطیر، ان چند سطور کی عرض کرتا ہے۔

کہ یہ نحیف ایام بدانجام نحوست انضمام غدر میں، طفل شیرخوار یا کودک نادان تھا، پھر بیس برس تک محض ذلیل وخوار، لیل ونہار لہو ولعب میں عمر بسر کی، بعدہ جب سبزہ اغاز ہوا، اقربا کے دل میں شادی کا ذوق، اور احقر کو بہ ہدایت الٰہی خود بخود تحصیل علم کا شوق ہوا،

کتاب لئے معلموں کے پیچھے کو بکو پھرنے لگا، بعض حضرات مسن اہل محلہ جہاں دیکھتے، استہزاء تعظیم دیتے اور ارشاد کرتے، جناب مولوی صاحب آداب عرض! بس اس قدر شرمندہ ہوتا کہ بسا اوقات بہیئت مذکورہ روبرو حضرت موصوف کے عبور سبیل ہی مسدود کیا۔

اگرچہ ہنوز لائق خندہ زنی کے ہوں بلکہ از سابق زیادہ، ولیکن جب اپنی حالت اصلی پر غور کرتا ہوں تو باداے شکر نعمت معطی حقیقی، زبان جان کو قاصر پاتا ہوں، بجائے دیگر بہ خود زبان پر لاتا ہوں:[۴]

عمرم دراز باد کہ این ہم غنیمت است

غرض کہ اسی کش مکش میں وقت گذرتا تھا، کہ قدرت الٰہی بدیگر گوں رونما ہوئی، دل میں یہ بات آئی کہ کہیں باہر چلئے، برائے چند غریب الوطنی اختیار کیجئے، لیکن اتحاد والدہ صاحبہ، خروج دیار سے مانع تھا، ایک برس اور گذرا کہ مخدومۂ موصوفہ بحکم الٰہی ملک جاودانی کورہ گزیں ہوئیں انا للہ وانا الیہ راجعون، سقی اللہ ثراھا وجعل الجنۃ مثواھا.

پھر تو موقع پاکر، قدرے زر وثوب لیکر گھر سے گریزاں ہوا، اور افتاں خیزاں ایک مدت کے بعد ضلع سہارنپور میں پہونچا، مدرسہ قصبہ منگلور، اور مدرسہ دیوبند میں جاکر شرح ملا کنز الدقائق وغیرہ تک پڑھی، پھر بوسیلہ خط جناب مستطاب، امام المفسرین والمحدثین، زائر حرمین شریفین، جامع علوم معقول ومنقول، منبع فروع واصول، وحضرت مخدومنا، مولانا محمد یعقوب صاحب مرحوم ومغفور۔

بمقام قصبۂ نانوتہ ضلع ہذا، بخدمت فیض درجت، سراج السالکین، عمدۃ العارفین، فخر الاولیاء، تاج الاصفیاء، وحید دہر، فرید عصر، حبر نبیل، فاضل بے عدیل، حجۃ اللہ الجلیل، مصداق: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل مجمع برکات، منبع حسنات، شریعت پناہ،

طریقت دستگاہ، حقیقت ومعرفت آگاہ، آیۃ من آیات اللہ، ولی اللہ دوران، عبدالعزیز زمان، اسماعیل ثانی، محی سنت خیر الانام، رکنِ رکینِ دین اسلام، ہادیٔ مراحلِ صراطِ مستقیم، رہنمائے طریقِ قویم، شافیٔ شبہات فانی اعتراضات، حامیٔ ہدایت، ماحیٔ غوایت، کاشف دقائق، موضحِ حقائق، فہامِ نکاتِ مالاینحلُ، علام کنایاتِ علوم اشکل، قطب ارشاد اکمل افراد، ذوی الفہمِ الصائب، والذہنِ الثاقب والرایٔ السلیم، والطبعِ المستقیم، مرجع علماء، رہبر ہر دیار وامصار، اذکیاءِ روزگار، حاجی حافظ، مفسر محدث، مولانا مخدومنا، وہادینا، مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ حاضر ہوکر داخل خاندان قادریہ، چشتیہ ہوا۔

پھر منگلور جاکر شرح وقایہ نور الانوار مختصر معانی پڑھ کر، ۱۲۹۷ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوکر، بخدمت فیض درجت، جناب مستطاب، زائر حرمین شریفین، حافظ کلام مجید، رب المشرقین والمغربین، ضابطِ حدیثِ حمید، جدالحسن والحسین، حبر نبیل، فاضل بےعدیل، حجۃ اللہ الجلیل، مصداق علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل حجۃ الخلف۔ بقیۃ السلف، ولی کاملِ زمان، قطب ارشاد دوراں، رکن رکین دین مولانا مخدومنا شیخنا مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم ومغفور حاضر ہوا۔ **نظم:**

بزرگ ونیک خصلت پارسا تھے علوم شرع وحق کے آشنا تھے
فلاطون وقت اور لقمان زمان تھے دلیل برکت وخیر جہاں تھے
اگرچہ مرشد وقطب زمان تھے ولے رنگ حنا کی چون نہاں تھے
کہوں ان کے میں کیا کسب وکمالات مثل سچ ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات

اگر سوانح عمری مخدوم مسطور ہو، تو ایک جریدۂ عظیم ہوتا ہے، جو باعث ملال خاطر ناظرین ہے، لہٰذا درگذر کر ایک دو بات تحریر کرتا ہوں، جس سے ہر ذی ہوش سمجھ لے گا

کہ کس رتبہ کے شخص تھے، اول تو مصداق الغنا غنی النفس کے اس قدر تھے کہ بعض صاحبان مطابع نے یہ درخواست کی تھی کہ منصب تصحیح اختیار کریں، حق تصحیح سو روپیہ ماہوار، اور پانچ نسخہ بطور نذرانہ ہر کتاب کے جو اس مطبع میں طبع ہو، خواہ کسی قیمت کی ہو، اور عام ہے اس سے بھی کہ آپ کی تصحیح سے ہو یا نہیں، قبول کریں، اور اگر یہ بات نہ گوارا ہو کہ اس شہر میں اقامت گزین ہو دیں، تو بیت اللہ شریف میں تشریف لیجاویں، وہاں یاد الٰہی کریں، جو کاپی ارسال خدمت ہوا کرے، اسے بعد تصحیح واپس کیا کریں محصول ڈاک وغیرہ بذریعہ مطبع کے ہے۔ اس بات کو ہرگز قبول نہ کیا، یہ بھی نہیں کہ اس کام کو کیا نہ تھا، ناواقف تھے، بلکہ کارکردہ تھے، آپ کی تصحیح سے کتابیں: مثل مجمع البحار، احیاء العلوم وغیرہ طبع ہو چکی ہیں، جس کی حسن و خوبی تصحیح اہل علم و کمال پر اظہر من الشمس و ظاہر و باہر ہے۔

چونکہ ظاہرا کچھ ملک و معاش نہ تھی، لہذا دفع حوائج ضروری انسانی کے لئے تیس بتیس روپیہ ماہوار مدرسہ سے لیتے رہے، تادم آخر اس قدر درس و تدریس میں مشغول رہے کہ بیماری میں بھی نہ چین لی، جب طاقت نشست بالکل بالائے طاق ہوئی تو بھی لیٹ کر تعلیم دیتے، حتی کہ مرض الموت میں چند سبق توضیح و تلویح، جماعت خاکسار کو لیٹ کر پڑھائے۔ اگرچہ بعض خدام کا جی چاہتا کہ سبق نہ پڑھیں، کیونکہ کوئی طلبہ سے تقریر الٹی کر دیتا، آپ جواب دیتے، تنفس ہونے لگتا، دیکھ کر نہایت کلفت ہوتی، لیکن کیا کیجئے کہ سخت ناراض ہوتے، کہ سبق کیوں نہیں پڑھتے میں، کب تک [ص ٦] جیتا رہوں گا۔ وقت تدریس کسی رئیس و امیر کبیر کی طرف ملتفت نہ ہوتے۔ **شعر**:

زہد و تقویٰ چیست ای مرد فقیر لا طمع بودن ز سلطان و امیر

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ: خیر الناس من ینفع الناس کے کس قدر مصداق تھے۔

اب دو ایک بات قریب الوفات کے سنی، خاصوں میں یہ قصہ مشہور ہے کہ قبل از وفات ایک دو برس پہلے ایک خواب دیکھا، اور بخدمت فیض درجت میں جناب مستطاب، مجمع علوم روحانی، منبع فیوض سبحانی، عمدۃ المحققین، زبدۃ المدققین، تاج الاصفیاء، سراج الاتقیاء، مالک زمان، شافعی دوران، امام احمد ثانی، حاجی حافظ مولانا مخدومنا، مولوی رشید احمد صاحب دام فیضہ و برکاتہٗ گنگوہی کے بیان کیا، بعد تامل تبسم کناں، یہ جواب دیا کہ یوں ہی خیالات ہیں۔ خود ارشاد کیا، چاہے کچھ ہو، مجھے معلوم ہوا، یہاں رہنے کی مدت ایک برس اور باقی ہے ایسا ہی ہوا، ایک برس بھی پورا نہ گذرا، کہ رہ روان ملک عدم ہوئے۔

مولانا سے کسی نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ مدرسہ کی دُو دیوار منہدم ہوگئی، آپ نے جواب دیا کہ صحیح ہے، ایک تو گر چکی، یعنی حافظ فضل حق صاحب مرحوم، دوسرے قریب گرنے والی ہے، اس کا اشارہ اپنی طرف تھا۔

آپ کے کچھ روپئے انجمن اسلامی تجارت دیوبند میں داخل تھے آپ نے واپس منگالیے، آپ کے برادر، جناب مستطاب، امام المفسرین والمحدثین، زبدۃ العارفین، قدوۃ السالکین، عالم اجل، فاضل اکمل، وحید دہر، فرید عصر، حامی دین متین، محی سنتِ سید المرسلین، مرجع علماءِ اقصاءِ ہر دیار و امصار، صاحب کتاب غایۃ الاوطار، مولانا محمد احسن صاحب دام برکاتہ سہ ماہی پنشن لینے آیا کرتے ہیں، تشریف لائے ہوئے تھے، اول نے روپیہ منگانے کا ذکر کیا، انہوں نے کہا کہ بلاضرورت روپیہ کیوں واپس کیا، وہیں رہنے دیا ہوتا، نفع سے زکوٰۃ ہی ادا ہوتی، مخدومنا نے جواب دیا کہ، میرے جی میں یہ بات آئی کہ اپنا روپیہ منگالوں، بعد میں کون منگاتا پھرے گا، منہ دیکھ کر خاموش رہ گئے۔

اس وقت میں کوئی آثار مرض نمودار نہ تھے، اگلے سہ ماہی کو نوبت نہ پہونچی کہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، کوئی ایسا سخت مرض نہ تھا، آپ کو [بوجہ] خلش ریزہ کے، دورہ

درد کلیہ ہوا کرتا تھا، جہاں تدبیر کی گئی دو آب زن وغیرہ کا استعمال ہوا فوراً افاقہ [۷] ہو جایا کرتا تھا۔ اس مرتبہ یہ کیفیت گذری کہ دوا وغیرہ کا بالکل استعمال ہی چھوڑ دیا، جب کوئی بہت اصرار کرتا، تو ارشاد کرتے کہ: جو دم باقی ہے آرام سے رہنے دو، کیوں تکلیف دیتے ہو، اب رہنا ہو چکا افاقہ نہ ہوگا۔ اگر بپاس خاطر کسی کی خاطر منہ سے لگایا بھی، تو ایک دو گھونٹ پیکر زمین پر ڈال دیتے، اکثر خاموش رہتے، کسی سے بات نہ کرتے، اپنے اور ہی شغل میں مشغول رہتے تھے۔

قاضی محمد فضل الرحمٰن صاحب رئیس شہر عیادت کو تشریف لائے، اور کہا کہ قاضی محلہ میں جس مکان میں آپ پہلے رہتے تھے، وہ خالی ہو گیا، اگر وہاں چلئے تو تبدیل آب وہوا بھی ہو، اور ہم لوگ مشرف ہوں، اول کچھ جواب نہ دیا بعد اصرار فرمایا کہ: اب یہی مکان خالی ہو جائے گا۔

قدرت الٰہی سے یہ بات پیش آئی کہ یہ خاکسار بھی بعارضۂ بخار گرفتار تھا، کچھ کار خدمت نہ کر سکتا تھا، ہر چند کہ نقل وحرکت سخت دشوار تھی، حرارت ترقی پذیر ہوتی تھی، لیکن جی نہیں مانتا تھا، بحیلۂ یک سبق بوقت صبح مدرسہ ہو کر مکان پر جا کر، بزیارت مخدوم مشرف ہوا کرتا تھا۔

دیدار پر انوار آخری کا یہ حال ہوا، کہ حسب عادت میں ایک روز بمعیت ایک طالب علم مکان پر حاضر ہوا، حضور اقدس چشم ظاہری از سیر جہاں فانی پوشیدہ، و دیدۂ دل کشادہ مشغول بمشاہدہ، چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، یہ بدبخت ازلی چوری لیکر بخدائے، سینہ اسرار گنجینہ ایستادہ مگس رانی کرنے لگا۔ آپ کے برادر زادہ عزیزم، حافظ محمد ابراہیم سلمہٗ، خلف مولانا محمد احسن صاحب مدظلہ منجانب سرہانے کھڑے تھے، یک بیک چشم وا کر کے کچھ دیر تک میری طرف بغور دیکھا، بعدہ بجانب محمد ابراہیم سلمہٗ متوجہ ہوئے،

چونکہ وہ بجانب سرہانے تھے، سر پھیرنے میں تکلیف ہوتی تھی، لہٰذا جلدی سے منہ پھیر لیا۔
اول تو مریض دوسری وقت صبح ہوائے سرد چلتی تھی، جسم پر رواں کھڑا نظر آیا، دل میں آیا کہ کپڑا اوڑھا دیجئے، لیکن بپاس ادب متحیر تھا، اتنے میں خود بدست مبارک اشارہ کیا، پھر تو فوراً اپنا ارادہ پورا کیا، الا رخ انور کو کشادہ رکھا، پھر آپ نے خود منہ چھپالیا، وہ رداء ازرق کا منھ پر آنا، گویا چشم نحیف سے آفتاب جہاں تاب، زیر ابر سیاہ نہاں ہوا، اور اس وقت کے تنفس سے معلوم ہوا کہ یاد الٰہی میں مشغول ہیں، تخلیہ منظور ہے، پس بایں: [۸] چلا آیا۔
اگلے روز بوجہ آپ کی بیماری کے، مدرسہ میں ختم بخاری شریف تھا، صبح سے قریب دوپہر تک تلاوت کتاب میں مشغول رہا، بعد ختم قیام گاہ پر چلا گیا، شام قیامت انضمام ہوئی، بعد فراغ صلوٰۃ عشاء چارپائی پر لیٹ رہا، یہ کیا خبر تھی کہ آج معاملہ دیگر گوں ہوگا، نام دفتر یتیمی میں لکھا جائے گا۔ **شعر**:

کیا خبر تھی انتقال آسمان ہو جائے گا   یک بیک یہ طالع بیداریوں سو جائے گا

ہنوز بیداری باقی تھی نیند نہ آئی تھی، کہ ایک شخص خبر رستخیز اثر لیکر نمودار ہوا کہ، اے شخص آج تیرے پروردگار نے تجھے یتیم کیا، تیرا مخدوم تیرے سر سے خلد بریں کاراہی ہوا، یہ سنتے ہی ہوش باختہ ہوا، عالم سکتہ کا ہوا نہ آہ نکلی نہ اف کیا۔ **شعر**:

رفتم از بو شوقت رفتن یار   او چناں رفت من چنیں رفتم

با چشم زار سینہ فگار بر سر غم کوہ، بصد اندوہ، افتاں خیزاں مدرسہ میں پہونچا، وہاں کا حال تحریر نہیں ہوسکتا۔

خامہ بصد داغ جگر چاک ہوتا ہے   بجائے آب چشم خون جگر سیاہ روتا ہے

قیامت برپا تھی، ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی، ہر ایک شخص اپنی حالت میں تھا، مضمون نفسی نفسی عیاں تھا، یہ خیال تھا کہ دیکھیں کس اہل گورستان کا طالع خفتہ بیدار ہوتا ہے، کہ

جن کا جاریہ خورشید جہاں تاب ہوتا ہے، ہر ایک کو رات بیقراری آہ وزاری میں گذری، عنقریب صبح صادق مولانا محمد احسن صاحب کو بشارت ہوئی کہ پاس حافظ فضل حق کے رکھنا مناسب ہے۔ یہ گورستان شہر سے بجانب شمال ہے اور حضرت اقدس چونکہ زندگی میں جانب شمال رہے تھے، بعد وفات بھی قطب شمالی ہوئے۔

حافظ صاحب مرحوم بھی یکتائے زمانہ اور حاتم وقت تھے، جب بناء مدرسہ تجویز ہوئی، بعض اشخاص شرفا ذی علم سے درخواست کی گئی باوجود مقدور کے زمین قیمتاً نہ دی گئی۔ جب حافظ موصوف کو خبر ہوئی خود درخواست کی اور ایک مکان شکستہ بنام بنگلہ ایستادہ تھا، معہ ملبہ زمین مدرسہ کو فی سبیل اللہ ہبہ کیا، اور وقتاً فوقتاً نقد سے بھی، تاحین حیات امداد کرتے رہے۔

باوجود امارت وریاست کے یہ حال تھا کہ ایام گرما میں حضرت مولانا مرحوم سے جماعت طلبہ حدیث تفسیر پڑھتی ہوتی، حافظ صاحب مغفور ایک ہاتھ میں تسبیح دوسرے میں رسی پنکھا کی لیکر بادکشی کرتے، اور جب کبھی ہوا کی [ص ۹] ضرورت نہ ہوتی تو مولانا کے پاس بیٹھی مگس رانی کیا کرتے۔ غرض کہ بوقت ۸ ربجے شب کے ۲۳ رذی الحجہ کو حضرت مولانا نے وفات پائی، صبح کو حسب ایماء پاس حافظ صاحب مرحوم کے مدفون ہوئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون.

اس روز سے حیات نقش برآب نظر آتی ہے، لطف زندگانی جاتا رہا، عالم میں اندھیرا نظر آتا ہے۔ **شعر:**

رفت زیر خاک، گیتی سربسر تاریک شد　　شب شود آرے رود، خورشید چوں زیر زمین

اللہ پاک مخدوم مرحوم کو درجات عالیہ جنت الفردوس میں عنایت کرے، اور ہم غریبوں کو توفیق عمل ان کے قدم بقدم دے، وعالم آخرت میں ان سے ملادے۔ آمین۔

آپ کی تاریخ وفات ہائے مولانا مولوی محمد احسن صاحب مدظلہ العالی نے اس قطعہ کے چاروں مصرعہ میں لکھی۔

قطعہ

رفت چوزین-وار، بدار البقا　　عابدا روحانی وشیخ اجل
ہاتف غیبی پے تاریخ سال　　داوندا، مظہر لطف ازل

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم کے خدمت میں ہدایہ وغیرہ شروع کیا، بعد اختتام صحاح ستہ نویں سال برخصبت چندہ ماہ، پے دیدار اقرباء وطن کو واپس گیا، بہ تلاش نسب نامہ یہ معلوم ہوا کہ کوئی صاحب از حضرات سادات بارہہ ضلع مظفرنگر اس طرف تشریف فرما ہوئے، کسی قریہ پرگنہ چین پور یا خاص قصبہ مذکور ضلع شاہ آباد میں اقامت گذین ہوئے، جن کی ذیل سے آج تک کئی بستی میں عبید آباد ہیں، اکثر بہ ہدایت الٰہی سنت جماعت خاصی حنفی ہیں، لیکن بعض بفرطہ نادانی اسی جہل قدیمانہ پر قائم رہے۔ اللہ جل علی شانہ بفضل والطاف اپنے ان سب کو صراط مستقیم پر لادے، آمین ثم آمین۔ ہمارے والد ماجد بعد وفات جد امجد بذات خود بلدۂ بنارس میں سکونت پذیر ہوئے۔ [ص ۱۰]

اشاریہ

شخصیات، مقامات، کتابیات

اور

مراجع وماخذ

مرتبہ

(مولوی) سیف اللہ، مرزاپور کوٹھی، ارریہ (بہار)

شخصیات

الف

مقامات

کتابیات

ب،پ

ت

ج،ح،خ

مراجع و مآخذ

		(قلمی)		
۱	بیاض مولانا فضل حق خیر آبادی	مکتوبہ بدست خیرآبادی	فوٹو اسٹیٹ مملوکہ راقم السطور	
۲	تاریخ جلال آباد (مظفر نگر)	تالیف۔ محمد علی بن روشن خاں ۱۳۰۰ھ	عکس نقل نسخۂ مؤلف مملوکہ راقم السطور	
۳	مکتوبات حضرت حاجی امداد اللہ و اکابر علمائے دیو بند بنام منشی رفاقت علی دیو بندی	مکتوبہ و مرتبہ منشی رفاقت علی دیو بندی	نسخۂ مؤلف مملوکہ راقم السطور	
		(مطبوعہ)		
۱	القصیدہ الھمزیہ	امام بوصیری	آگرہ	۱۲۷۰ھ ۱۸۵۰ء
	بترتیب وحواشی	حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی		
۲	آپ بیتی (یاد ایام)	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا	سہارنپور	۱۳۹۱ھ
۳	احیاء العلوم	حضرت امام غزالی (تصحیح متن وحاشیہ)	لکھنؤ طبع اول	۱۲۸۱ھ
	ب	حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی	لکھنؤ طبع دوم	۱۲۹۰ھ
۴	اوجز المسالک الی موطاء امام مالکؒ	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا	طبع اول سہارنپور	بلاسنہ
۵	اوج قنوج (وعظ)	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	دیو بند	بلاسنہ
۶	ایک نادر مجموعہ مکاتیب (مشاہیر علماء کے خطوط اسیر نگر کے نام)	ترتیب وحواشی ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی	کراچی	۱۹۸۶ء
۷	بذل المجھود لحل سنن ابو داؤد	حضرت مولانا خلیل احمد امیٹھوی	سہارنپور	
۸	بلغۃ الحیران فی ربط آیات القرآن	افادات مولانا حسین علی (ںچمراں والی) مرتبہ مولانا غلام اللہ خاں	گوجراں والا	بلاسنہ
۹	تاریخ الادب العربی (بروکلمان)	ترجمہ عربی یعقوب بکر	قاہرہ	۱۹۷۷ء
۱۰	تاریخ ندوۃ العلماء لکھنؤ	مولانا اسحاق جلیس ندوی	لکھنؤ	۱۴۰۳ھ
۱۱	تذکرہ استاد الکل مولانا مملوک العلی نانوتوی	نور الحسن راشد کاندھلوی	کاندھلہ ۱۴۲۸ھ	زیرِ طبع

۱۲	تذکرۃ الخلیل	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	سہارنپور ۱۳۹۵ھ/کراچی بلاسنہ	
۱۳	تذکرۃ الرشید	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	سہارنپور	۱۹۷۷ء
۱۴	تذکرہ رحمانیہ (سوانح مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی)	مولانا عبدالحلیم انصاری	لاہور	۱۴۰۰ھ
۱۵	تذکرہ مولانا غلام اللہ خاں	عبدالودود صاحب	لاہور	بلا سنہ
۱۶	تذکرہ علمائے پنجاب	اختر راہی صاحب	لاہور	۱۹۹۸ء
۱۷	تذکرہ علمائے حال	مولانا محمد ادریس نگرامی	لکھنؤ	۱۸۹۷ء
۱۸	تقدیس الوکیل	مولانا غلام دستگیر	لاہور	
۱۹	حالات طیب مولانا محمد قاسم (مشمولہ قاسم العلوم)	مولانا محمد یعقوب نانوتوی مرتبہ نورالحسن راشد کاندھلوی	کاندھلہ	۱۴۱۲ھ
۲۰	حیات شبلی	علامہ سید سلیمان ندویؒ	اعظم گڑھ	۱۹۹۹ء
۲۱	روداد مدرسہ عربیہ (دارالعلوم دیوبند) ۱۲۸۵ھ	مہتمم دارالعلوم دیوبند	طبع دوم	۱۳۲۵ھ
۲۲	روداد مدرسہ عربیہ (دارالعلوم دیوبند) ۱۲۹۲ھ	مہتمم دارالعلوم دیوبند	طبع دوم	۱۳۲۵ھ
۲۳	روداد مدرسہ عربی (مظاہر علوم سہارنپور)	ضمیمہ نجم الاخبار میرٹھ	شمارہ ۷	۱۸۶۸ء
	روداد مدرسہ عربی سہارنپور ۸۳-۱۲۸۴ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور		
۲۴	روداد مدرسہ عربی سہارنپور ۱۲۸۵ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	ضمیمہ نجم الاخبار میرٹھ	
۲۵	روداد مدرسہ عربی سہارنپور ۱۲۸۶ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع الانوار سہارنپور	
۲۶	روداد مدرسہ عربی سہارنپور ۱۲۸۷ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع صدیقی بریلی	
۲۷	روداد مدرسہ عربی سہارنپور ۱۲۸۸ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع خورشید جہانتاب سہارنپور	
۲۸	روداد مدرسہ عربی سہارنپور ۱۲۸۹ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع صدیقی بریلی	
۲۹	روداد مدرسہ عربی سہارنپور ۱۲۹۰ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع خورشید جہانتاب سہارنپور	
۳۰	روداد مظاہر علوم ۱۲۹۱ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع مجتبائی دہلی	
۳۱	روداد مظاہر علوم ۱۲۹۲ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع روشن جہاں سہارنپور	
۳۲	روداد مظاہر علوم ۱۲۹۳ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع محبت کشور ہند میرٹھ	

۳۳	روداد مظاہر علوم	۱۲۹۴ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع عزیزی کانپور	
۳۴	روداد مظاہر علوم	۱۲۹۵ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع عزیزی کانپور	
۳۵	روداد مظاہر علوم	۱۲۹۶ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع ہاشمی میرٹھ	
۳۶	روداد مظاہر علوم	۱۲۹۷ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع ہاشمی میرٹھ	
۳۷	روداد مظاہر علوم	۱۲۹۸ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع ہاشمی میرٹھ	
۳۸	روداد مظاہر علوم	۱۲۹۹ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع ہاشمی میرٹھ	
۳۹	روداد مظاہر علوم	۱۳۰۰ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع ہاشمی میرٹھ	
۴۰	روداد مظاہر علوم	۱۳۰۱ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع ہاشمی میرٹھ	
۴۱	روداد مظاہر علوم	۱۳۰۲ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع شگوفہ فیض میرٹھ	
۴۲	روداد مظاہر علوم	۱۳۰۳ھ	مرتبہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	مطبع ہاشمی میرٹھ	
۴۳	سرسید کی تعزیتی تحریریں		مرتبہ اصغر عباس	علی گڑھ	۱۹۸۹ء
۴۴	سوانح مولانا شاہ عبدالقادر رائیپوری		مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	لاہور	۱۳۹۷ دو
۴۵	سوانح قاسمی		مولانا مناظر احسن گیلانی	دیوبند	۱۳۷۳ھ
۴۶	طریقہ شریعت		مولانا حشمت علی بنارسی	مجتبائی دہلی	۱۳۰۲ھ
۴۷	علمائے مظاہر العلوم اور ان کی علمی تصنیفی خدمات		مولانا محمد شاہد سہارنپوری	سہارنپور	۱۴۰۰ھ / ۱۴۰۳ھ
۴۸	غایۃ الاوطار ۔ ترجمہ اردو درمختار		مولانا محمد احسن و مولانا محمد مظہر نانوتوی	بریلی	۱۲۸۸ھ
	کیفیت سالانہ مدرسہ (روداد کے تحت درج ہیں)				
۴۹	مجمع البحار	الف	علامہ محمد طاہر پٹنی	طبع اوّل لکھنؤ	۱۲۸۳ھ
۵۰	مجمع البحار	ب	مرتبہ مولانا محمد مظہر نانوتوی	طبع دوم لکھنؤ	۱۲۹۳ھ
۵۱	مجمع البحار	ج	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	حیدرآباد	۱۳۱۴ھ
۵۲	معجم المطبوعات العربیہ فی شبہ القارۃ الہندیہ حتیٰ عام ۱۹۸۰ء		ڈاکٹر احمد خاں	ریاض	۱۴۲۱ھ
۵۳	مولانا محمد احسن نانوتوی		ڈاکٹر محمد ایوب قادری	کراچی	۱۹۶۶ء
۵۴	مفاوضات رشیدیہ (مجموعہ مکتوبات) مولانا گنگوہی		مرتبہ حکیم نورالحسن منظور بحواشی مولانا محمد شاہد	سہارنپور	۱۳۹۶ھ
۵۵	مقدمہ شیعہ دسنی (لکھنوتی سہارنپور)			مطبع ہاشمی میرٹھ	۱۸۷۳ء

۵۶	،،		طبع دوم سہارنپور ۱۸۷۳ء
۵۷	مکتوبات اکابر دیوبند	مرتبہ۔ مولانا نسیم احمد فریدی	دیوبند، ۱۹۸۰ء
۵۸	مکتوبات رشیدیہ	مرتبہ۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	میرٹھ، ۱۳۲۳ھ
۵۹	ملفوظات فقیہ الامت (مفتی محمود حسن گنگوہی)	مرتبہ مولانا مسعود احمد	غازی آباد ۱۴۰۶ھ
۶۰	موطاء امام مالک	مرتبہ و حاشیہ	طبع اول احمدی دہلی، ۱۲۶۶ھ
۶۱	،،	حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی	طبع دوم دہلی، ۱۲۷۰ھ
۶۲	نزہۃ الخواطر (جلد ہفتم)	مولانا عبدالحئی حسنی رائے بریلوی	حیدرآباد، ۱۳۹۹ھ
۶۳	،، (جلد ہشتم)		۱۴۰۲ھ
۶۴	یادِ رفتگاں	علامہ سید سلیمان ندوی	کراچی، ۱۹۵۵ء
۶۵	انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ	سرسید احمد	علی گڑھ ۱۸۸۴ء
۶۶	سہ ماہی اردو کراچی	ایک نادر مجموعۂ مکاتیب	کراچی ۱۹۸۵۔۸۶ء

قاسم العلوم، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

احوال وآثار وباقیات ومتعلقات

تالیف: نورالحسن راشد کاندھلوی

احول وکمالات غیر مطبوعہ مآثر ومعارف

نیز اب تک نامعلوم مکتوبات اور نادر ترین تحریرات کا گراں قدر مجموعہ جس میں حضرت مولانا کی حیات طیبہ کے متعدد پہلو اور کارنامے پہلی مرتبہ سامنے آئے ہیں جس کو برصغیر کے ممتاز ترین علماء محققین اور اہل نظر نے نادر تحفہ قرار دیا ہے۔



تقریباً ساڑھے چار سو ذیلی عنوانات آٹھ بڑے ابواب نیز حضرت مولانا کی تمام مطبوعہ غیر مطبوعہ تصانیف، تحریرات ومکتوبات کا مکمل اشاریہ بھی شامل ہے۔ یہ ایسی اہم کتاب ہے کہ اس کے پڑھے بغیر حضرت مولانا نانوتویؒ کی حیات وخدمات کے متعدد گوشے نامعلوم رہیں گے۔ مطالعہ ناتمام رہے گا، پونے آٹھ سو صفحات عمدہ کتابت طباعت، خصوبصورت جلد

☆ عام قیمت صرف تین سو روپئے ☆

مجلّہ
صحیفۂ نور
(پہلا شمارہ)

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ
یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (النور)

قاسم العلوم

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۱۲۴۸ھ/۱۸۳۳ء تا ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء)



احوال و کمالات کے نادر گوشے
مکتوبات کے نامعلوم مجموعے
چند علوم و افادات اور باقیات و متعلقات



نورالحسن راشد کاندھلوی

عمدہ کمپوزنگ، بہترین کاغذ، اعلیٰ درجہ کی طباعت اور خوبصورت نفیس جلد
اس کے باوجود عام قیمت، صرف تین سو روپیہ (۳۰۰)

کتاب آٹھ بڑے ابواب، تقریباً چار سو ذیلی عنوانات اور پونے آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے
جس کے مطالعہ سے بیک وقت حضرت مولانا نانوتوی کی سوانح اور تصنیفات، خدمات کا مطالعہ مکمل رہیگا

قدیم دہلی کالج (مدرسۂ دہلی) کے

چھبیس سال تک صدر مدرس اور روحِ رواں

استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ

احوال و خدمات، تصانیف و تراجم، مکتوبات و آثار اور تلامذہ

تالیف: نور الحسن راشد کاندھلوی

اس کتاب میں حضرت مولانا مملوک العلی اور دہلی کالج کے کاروانِ علم و کمال کی مفصل اور جامع منظر کشی کی گئی ہے۔ نانوتہ کی پرانی دینی علمی تاریخ اور شخصیات، مولانا مملوک العلی کے اجداد، خاندان اور مولانا کے ولادت سے وفات تک مفصل حالات، دہلی کالج سے وابستگی، کالج پر مولانا کے اثرات، مولانا کی تصانیف، تراجم، مکتوبات اور شاگردوں کا مفصل تذکرہ جس میں دہلی کالج کی بھی بڑی حد تک مکمل تصویر اتر آئی ہے اور کہنا چاہیے کہ دہلی کالج کے فیض علم اور طالب علموں کا ایسا مفصل تذکرہ پہلی بار مرتب ہوا ہے۔ امید کہ اس سے برصغیر ہند کے کاروانِ علم اور دہلی کالج کے سلسلہ میں بھی معلومات کے نئے دریچے وا ہوں گے۔ نامور ناقد اور مصنف شمس الرحمٰن صاحب فاروقی کے الفاظ میں یہ کتاب:

"عامی اور عالم دونوں کے لئے استفادہ اور حوالہ کا ذریعہ بنے گی"

• مقدمہ و پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

استاذ حدیث دار العلوم، دیوبند

اور

جناب شمس الرحمٰن فاروقی - و - ڈاکٹر جمیل جالبی (مصنف تاریخ ا[...]

ایک تاریخ، ایک تحقیق، ایک علمی دستاویز اور ایک لائق مطالعہ کتاب

عمدہ کمپوزنگ اور کاغذ، نفیس طباعت اور جلد۔ سواچھ سو صفحات۔ قیمت صرف سوا دو سو روپے

ناشر

حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی - کاندھلہ ضلع مظفر نگر (یوپی)